

# گُفر و ایمان

520  
2

ہری چند آخرت

# کفر و ایمیاں

GHALIB ACADEMY  
Nizamuddin, NEW DELHI-13.

کُفر و ایمان

ہری چندما ختر

2168, NOC, 1

20

Acc. No, 1807

قیمت :- چار روپے

ناشر : سست پال ۳۲۳- ہر چھوٹہ خان خاں اردو بازار، دہلی  
ملنے کا پتہ : - مکتبہ، جامعہ اردو بازار، دہلی  
پرنٹ - یونین پرنسپل پرنس اردو بازار دہلی

## پیدت ہری چند اختر مرحوم

جس طرح شاعری کا بوجوہ خداداد علیہ ہوتا ہے اسی طرح انسانی طبیعت کے بعض اور محاسن بھی ایسے ہوتے ہیں جنکی اکتسابی نہیں کہ سکتے۔ مثلاً طبیعت کی شونخی، مزاجیہ، حاضر جوابی، ذہن و ذکا و دغیرہ۔ شاعر کی پرگزیدہ جماعت یہیں ان نعمتوں کی تقسیم مساوی صورت یہیں نہیں پائی جاتی۔ کسی کو صرف شاعری تیکا بوجوہ عطا ہوا ہے اور باقی نعمتوں سے اسے محروم رکھا ہے۔ کسی کو اس کے ساتھ ایک آدمی نعمت اور دسے دی ہے۔ بہت کم شاعر ایسے نظر آتے ہیں جن کا دامن ان تمام قدر نعمتوں سے مالا مال نظر آتا ہو۔ اردو کے شعراء میں مرتضیٰ غالب، حضرت داغ، حضرت اکبر اور حضرت یا باض بیہلی بادی ان نعمتوں سے پورے طور پر بہرہ مند ہیں اور یہی بیہلی بادی پر دانہ بن کر ان کو ادیج شہرت پر اتنی دورے اڑی ہیں کہ وہ اپنی جماعت کے دوسرا سے ارکان سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ اسی صورت میں سیدنا انشا کو بھی شمار کر لیجئے۔ بادشاہ، بیہلی بادی پیدت ہری چند اختر بھی ان تمام ادبی اوصاف کا ایک ول کش مرقع تھے۔ ان کی طبیعت یہی بھی، شونخی اور مزاج کے جوہر کوٹ کوٹ کر بھر سے ہوئے تھے۔ ان کی نثر نگاری کا کثیر حصہ مزا جیہہ اور صرف مزا جیہہ ہے مگر افسوس کہ انھوں نے نہ اپنے منظوم کلام کی کوئی یادداشت یا بیاض تر

کی اور نہ اپنے مجموعہ نظر کی۔ نظر تو وہ سرکاری ملازمت کے خیال سے ہمیشہ فرضی تخلص کے ساتھ اور بسادفات اس فرضی تخلص سے بھی بے نیاز رہ کر ادارہ کی آڑ ہی میں لکھتے رہے۔ ان کے مزاجیہ وار اتنے خاراشکاف اور اتنے بھرپور ہوتے تھے کہ مخالف تاب نہ لاسکتا تھا اور فوراً سپر افگن ہو جاتا تھا۔ شوخی بیس متناہی، اور متناہی بیس شوخی ان کی تحریروں کا نمایاں و صفت تھا۔ کبھی کبھی شوخی اور متناہی کی حدود سے پار ہو جاتے تھے تو ان کا قلم صفت نہیں تلوار سے کم نہ ہوتا تھا اور وہ اس میدان میں قلم اور تلوار دونوں کے مالک نظر آتے تھے۔ طبیعت کی شکفتگی کا یہ عالم تھا کہ غم والم میں بھی ان کے ہونٹی متبسم نظر آتے تھے۔ ان کے اشعار میں بھی جو خواہ کسی موضوع پر ہوں مزاح اور شوخی دونوں ہم دست ہو کر کھیلنا دکھائی دیتے تھے۔ ماضِ جوابی کے بیان میں صرف یہی ایک مثال کافی ہے کہ ایک مشاعرہ میں ایک برگزیدہ شاعر اپنی غزل پڑھ رہے تھے۔ غزل کی زمین تھی ۔۔۔ رات کتنی، گھنات کتنی۔ ایک سفر کا پہلا مصرع یہ تھا

یہ دل ہے یہ جگر ہے یہ کلیجا

شاعر نے ابھی پورا شعر نہ سنایا تھا اور پہلے مصرع کو دوبارہ پڑھ رہے تھے

یہ دل ہے یہ جگر ہے یہ کلیجا

کہ اختر نے دوسرا مصرع کی قدر آواز سے اس طرح سنایا

قسانی دے گیا سونغات، کتنی

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ امفوں نے اپنی شوخ طبیعت کے تھانے سے یہ پوینڈ لگا دیا یا مصرع اول کے اس سنبھل کو دیکھ کر کہ جگر اور کلیجا دو نہیں ہوتے اور مصرع میں جگر کے بعد کلیجا

کہنا پئے معنی بات ہے، تفہیم کس کے طور پر دوسرے مصروع فی الیاد یہ مُسناہ یا۔ وجہ کچھ بھی  
ہو ان کی خاطرِ بصیرت کے ثبوت میں یہ نظیفہ بہت کافی ہے۔ اسی قسم کے سیکڑوں نہیں  
ہزاروں ملفوظات ہوں گے جنہیں ایک جگہ جمع کیا جاتا تو یہ مجموعہ بہت قابلِ قدر ہوتا۔  
نکتہ ہنہی، نکتہ دافی، نکتہ نشہ سی، نکتہ پروردی اور نکتہ نوازی کا یہ عالم تھا کہ بات  
میں سے بات نکالنے تھے۔ شریانِ نظم کے کسی نمایاں سقتم پر پڑے بڑوں سے الجھ پڑتے  
تھے۔ لاہور میں انہوں نے نارمان دہلوی کو معاف کیا نہ مولانا تاجور کو۔ تعقیدِ لفظی کے سقتم  
پر مولانا ظفر علی خاں سے بھی بے درج الجھ پڑے اور راجہ اے فعل کو الگ الگ کر کے یعنی  
”کون بو لے گا۔“ کی جگہ بو لے کون گا، کھوئے کون گا، ٹوٹے کون گا، کھائے جھکوئے کون گا کی  
زمین میں ایک ٹومار لکھا را جس کے تمام مضمایں مولوی ظفر علی خاں کے عادات و خصائص  
کا آئینہ تھے۔ جو شعر زبان اور صرف زبان ہی زبان ہو اور اس میں معنویت یا ستریت  
قطعی طور پر مفہوم ہو مثلاً ہے

تمھیں چاہو تھیں چاہو تمھیں چاہو میں چاہو میں چاہو

کبھی ہم نے نہ چاہا تھا نہ چاہیں گے نہ چاہا ہے

ایسے اشعار کو کرتے ہیں کہ مفعملہ اڑاتے تھے اور بعض دفعہ اس قسم کے اشعار کی  
پیر وڈی سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ بہت زندہ دل اور شلگمہ مزاج تھے۔ پُرگو اتنے کہ  
قلم یہ داشتہ لکھتے تھے۔ ان کی نثر و نظم کا مکمل مجموعہ اگر تلاش سے مل سکتا تو شاید دو تین ہزار  
صفحات میں بھی نہ سما سکتا اور زبان حال سے بھی ہستا کر ج

ٹنگ ہے دل و سخت دامانِ محشر دیکھ کر

اپنے انکارِ طبع سے صرف چند چیزوں میں ان کو یاد تھیں، مشارعوں میں انھیں سے

کلام سیستے تھے اور انہیں کو نکل مرح لگا کر ان کا ذائقہ پھر الیسا چیلڈ پیا بنادبیتے تھے کہ بار بار  
من کہ بھی لوگ انہیں چیزوں کی فرمائش کرتے رہتے تھے اور یہی اشعار قندِ مکر بالطف  
د سے بیان تھے۔ اپنے بعض اشعار پر دوچار مناجیہ فہرستے پھر اس طرح کتنے تھے کہ شخص  
ان کی زندگی بخش طبیعت کا معتقد ہو جاتا تھا اور یہ پری محفل پر چھاسُ موئے مظر آتے تھے۔

ان کے منظوم کلام کے متعلق کہا چکا ہے کہ انہوں نے اس کی کوئی یادداشت قلمی  
صورت میں اپنے پاس نہیں رکھی۔ ابیے لا اپانی شاعر بھی بہت کم ہوں گے جو اپنے ارشادات  
اور ملنونکھات کی خفاظت میں اتنے غیر محتاط اور استثنے غافل رہے ہوں۔ تلاش سے جو پکھ  
حاصل ہوا وہ آتنا کم ہے کہ اسے مشتمل نہ رہا ازہردار کہنا چاہیئے۔ اختر زمانہ حال کی اس  
شاعری کا جس میں فنی اصول اور زبان کی صحت سے کھلی لغافت کی گئی ہو، بہت مفہم  
اڑاتے رہتے تھے اور ہمیشہ اس بیے راہ روی اور بے معنی و لالعینی ترکیبیں کو بے ہمار  
شاعری سے منسوب کرتے تھے۔ سہنی ہوئی خداں پر روتے تھے اور رفتی ہوئی بہار پر  
ہستے تھے۔ یہم کوئی خاموشیوں اور نہ سمجھتی ہوئی مد ہوشیوں کو دیکھ کر یہی کہتے تھے ع  
بہ سو خدت عقل زجرت کہ ایں چہ بوا لمحجی است۔

وہ کلامیکل شاعری کے دل دادہ و فارفة تھے اور فنی اصول، فنی قواعد اور فنی نکات  
کو خوب سمجھتے تھے اور جو کلام اس ترازو پر پورا نہ تھا ہمیشہ اس کا مفہم اڑاتے تھے اور  
عجیب و غریب پہچتیاں کرتے رہتے تھے۔

اب ان کے منظوم کلام کا یکہ اقتیاس بھی ملا جنہے ہو۔ نہ زہ دلی، نسلگفتگی، شتوخی اور  
مزاجیہ چاشنی کے ساتھ ساتھ حفاظتِ تکاری۔ یہ چار پارچ نمایاں خصوصیتیں ان کے کلام میں  
اپ کوجا پہ جان مظر آئیں گے۔

تو مرے اعمال کا پا یند نکلا حشر میں

ا سے خدا میرے خدا تجھ کو خدا سمجھا تھا میں

قادرِ مطلق کی قادر بیت پر کتنی کڑی تنبیہ کی ہے۔ یہ مضمون بالکل نیا ہے اور بڑی صفائی سے بیان کر دیا ہے۔ دونوں ممکن کی ساخت بھی بے ساخت اور بے تکلف ہے ہے

نوید سر بلندی دی بنجم نے تو میں سمجھا

سکاں دہر کے آگے دُننا ہونے کا وقت آیا

علازمت کی غلامانہ زندگی کو جناب محروم نے بھی ایک فارسی قطعہ میں بُری طرح ملعون کیا ہے۔ اس قطعہ کا آخری مفرع یہ ہے ہے

پرسکاں ادبِ نوادم پر خراں سلام کردم

آخر نے بھی ایسی ہی غلامانہ زندگی اور حکام کی نخوت و رعنونت کو بُری طرح آڑ سے ناخنوں لیا ہے اور جس چیز کو لوگ سر بلندی اور اس کے حصول کی خبر کو نوید سر بلندی کہتے ہیں اس کی ذلت و تحقیر ثابت کرنے کے لئے زور دا ارشیخ سے کام لیا ہے۔ یہ شعر تھیں تمازیانہ ہے ہے

، میں بھی آپٹا ہے دوستوں سے کام کچھ لیں

ہمارے دوستوں کے بے وفا ہونے کا وقت آیا

دوستوں کی تماشی دوستی یہ لمعن اتنا شدید ہے کہ دل مجرور ہوا جاتا ہے۔ نظرِ مفرعِ ثانی پر جنم جاتی ہے اور مفرعِ اول کے لیے کا جو غیرِ صحیح مقام ہے اس پر متوجہ ہی نہیں ہوتی۔ یہ شعرِ حقائق نگاری کی ایک نمایاں مثال ہے ہے

ا بھی نویں دیکھنا چاہتا ہوں      نہیں چاہتا ان کو یا چاہتا ہوں

وہ کہتے ہیں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو      یہی کچھ تو میں جانتا چاہتا ہوں

مری نیتوں پر نظر رکھنے والو خدار استاد میں کیا چاہتا ہوں

میں سمجھاوہ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں دو سمجھے کہ میں کچھ کہا چاہتا ہوں

پہلا اور تیسرا شعر دفتر معانی ہیں۔ ان کی معنویت، ان کے کنائے اور ان کی شعریت نکتہ تناسوں ہی کے ذوقِ صحیح سے پوچھئے۔ ان میں جو وجدانی کیفیت ہے وہ نقطوں میں بیان ہمیں ہو سکتی۔ دوسرا اور چوتھا شتر اختر کے خاص رنگ میں ہے۔ اس قسم کا انداز بیان صاف طور پر ظاہر کرنا ہے کہ ان کی مراجیہ طبیعت کتنی نکتہ پروردہ ہے۔ یہ بات بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ پوچھا شتر کس خاص موقع سے تعین رکھنے والا اور کس عالم کا نزدِ جسمان ہے۔

محمد کو دیکھا پھوٹ کے ریا اب سمجھا سمجھانے والا

کتنا یہ پناہ شر کہا ہے۔ مصنوب اور شعریت دونوں دست دگریاں نظر آتے ہیں۔ دونوں مصرعے درودِ عم کی تقویر ہیں۔ اتنی محقرزہ میں میں یہ ڈھلنے ہوئے مصرعے، پھر بیان کی یہ صفائی یہ سلاست قابل دید ہے۔ معنویت کی گہرائی مزید بڑا۔ ایسا جامع شتر اور ایسا دوسرے مضمون قوت بیانیہ کا عجائز ہے۔ ناصح کی لصحت کیوں کارگر نہ ہوئی اور بیماری کا انجام کیا ہوا۔ یہ دو باتیں اس شتر کی جیسے فضل ادب کہنا چاہیے بنیاد ہیں۔ اس بنیاد پر جو تحریر اٹھائی گئی ہے اس میں اختر کی سحر کاری کتنی داد طلب ہے۔ داد طلب ہی نہیں فسیریا د طلب بھی ہے۔ ناصح کی طبیعت میں جو الفاظ عظیم پسیدا ہوا۔ پھوٹ کے روایا۔ یہ الفاظ اس انقلاب عظیم کی اتنی مکمل و غناحت کردہ ہے ہیں کہ کوئی خاص بات نہ ہئے کے باوجود سب کچھ کہہ دیا گیا ہے۔ یہ شتر پورے دلوان پر بھاری ہے۔

..شخ و پنڈت دھرم اور اسلام کی باتیں کہیں  
 کچھ خدا کے تھر کچھ انعام کی باتیں کہیں  
 یہ سنا یہیں پاک نئے اولیں اہمام کے  
 وہ خدا کے آخری پیغام کی باتیں کہیں  
 ہم گھر سے ہنتے رہیں اور دل میں یہ ہکتے رہیں  
 اب یہ رخصت ہوں تو ہم کچھ کام کی باتیں کہیں  
 یہ زیکر قلمبند ہے بیشن اور پنڈت کی بے صرفہ اور دوڑا زکار پرستی کو تینیں اونماں فزار دیتے  
 ہوئے گئیں بھرپور ملامت کی ہے۔ مرا ایس ہے کہ دونوں سکے لئے پورا پورا حزاںی جذبہ  
 بھی کا رہما ہے۔ پانچواں مرد رع اس ملامت، اس تضییک حاد راس، اسی ام تینیوں پا توں  
 کے بیان میں بہت پُر لطف ہے۔ پھر چھٹے مدرس کی پُر لطف معنوبیت کا تو ہکتا ہو گیا ہے  
 اب یہ رخصت ہوں یہ الفاظ اپنی برداشت اور احزاںی جذبے کو نہاہر کرنے کے لئے  
 کس قدر جامع ہیں ۷  
 مرے چین کی خسروں مطمئن رہے کہ یہاں  
 خدا کے فضل سے اندیشہ بہار نہ ہیں  
 یہ شرمنی اخڑ کا شاہ کا رہے۔ خدا کے فضل تھے۔ ان الفاظ کے لفڑیہ اندانہ کی وادیہاں  
 نکلا دی جائے۔ خداں کا اندیشہ تو ہوا کرتا ہے۔ بہار کے ساتھ اندیشہ ایک نادر  
 نزکیب ہے جس کے جواز سے یہاں انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ شرمنجیہ اسلوب سے کہا گیا  
 ہے۔ پھر مطمئن رہے میں جو هزاچہ معنوبیت ہے وہ اس نظر کو اور بھی سحر حلال بنائے  
 دیتی ہے۔

اپنی مظلومی اور احبابی کی بدکشی شدی کو دام تزدیر نہیا ہے زمانے کے لئے  
 ان کی موبہوم شفاقت کے گلے کرتا ہوں اپنی معلوم خبائش کو چھپانے کے لئے  
 یہ بھی ایک قطعہ ہے۔ بیان کا یہ اسلوب بڑا نادر ہوتا ہے کہ دوسروں کی پڑائی اپنی ذات پر  
 ڈھال کر بیان کی جائے۔ دونوں شر اختر کی قدرت بیان کا بہترین نمونہ ہیں۔ حقائق نگاری  
 بتو اختر کے کلام کا طریقہ امتیاز ہے اس کے ثبوت میں یہی ایک۔ قطعہ کافی ہے۔ دوسرے شر  
 میں موبہوم شفاقت اور معلوم خبائش کے طریقے تلاش کے لحاظ سے بھی اور معنویت کے  
 لحاظ سے بھی مستغفی عن التوجیف ہیں۔ شفاقت اور خبائش کے الفاظ نے بیان میں جو  
 ذور پیدا کیا ہے اور اس پر یہی عادت کی مذمت، جو عام طبقائے کے میلان پر حاوی ہے، جس  
 شدّت سے کی گئی ہے وہ اعجاز بیان ہے۔

وہ اچھے کے طریقے کٹ گئے دلوں میں بھی فرق آگیا تھا تو کیا پُست ہی سی ہم تھارے تو تھے	پہم مل کے دو دن گزارے تو تھے نگاہوں کو حاصل نہارے تو تھے پُست ہی سی ہم تھارے تو تھے
---	---

تینوں شعر تغزل کے لحاظ سے لا جواب پڑی۔ امیں پڑھ کر میر حسن کی مثنوی کا انداز بیان  
 بیاد آ جاتا ہے۔ وہی مترجم بھرا وہی یہی سماں ہے اور بے تکلف اسلوب بیان، وہی صفات  
 اور سلیمان زبان، آورد کا نام تک نہیں۔ امتیازی فرق یہ ہے کہ وہ مثنوی مخفی یہ تغزل  
 ہے اور تغزل بھی بہت کام بایا ہے  
 خودی کی ابتداء یہ مخفی کہ اپنے آپ میں کم تھا

خودی کی انتہا یہ ہے خدا کو بیاد کرتا ہوں  
 خودی کی ابتداء یہی ہوتی ہے کہ اپنا آپ بھول جاتا ہے مگر اس عذر اور اس خودی

کا انعام ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کہیں کا نہیں رہتا اور اس میسریت میں بار بار خدا کو پاد رکتا ہے اور اس کے کرم کا تذکرہ۔ یہ حقیقت ہمتوں سے اس شریں بیان کرنا مقصود تھا۔ لفظ انہت اور خدا کو پاد رکنا یہ دو ٹکڑے خود میں کو بدلتا ہے اک انعام خاہر کرنے کے لئے بہت جامح ہیں۔ کہاں تو یہ نجوت کے خدا کا تذکرہ ہی کیا اپنے؟ آپ کو بھی جھوول گئے اور کہاں یہ صورت حال کہ بار بار مدد ایاد نہ ہے۔ بیان کی صفائی اور مفہوم کی وساحت اس سے بہتر اور بیباہ ہوگی۔

لب پر ہی کبھی آز سکانا نام تھا را      دل نے تو کئی پار کئی بار پُکارا

اک بار جو مل جائیں وہ بچھڑ کے ہوئے لمحے      سو بار مجھے تلمخی، ایام گوا را

پہلا شتر غبیط رانہ اور غبیطِ محبت کی تصویر ہے جو بہت ہی دل کش اور بہت ہی مکمل ہے۔

دوسرے شریں اک بار اور سو بار کا تقابل حسین بیان کی بیان اور نوش بیانی کا بیان ہے۔

سو بار مجھے تلمخی، ایام گوارا۔ یہاں فعل کا حذف اور بھی پڑ لطف ہے۔ دونوں شتر آخر کے

حسین بیان کا روشن ثبوت ہیں اور سراسر جذباتی لیعنی سراپا لغزوں۔

اس ہمایت مختصر مجموعہ کلام میں جو بڑی تلاش سے و سستیاں پہلوں اس قسم

کا زندگی بخش انتخاب اور بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر کلام اختر کی جن چند خصوصیتوں کا

پہلے ذکر کیا گیا ہے ان کے ثبوت میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اور جتنا انتخاب پیش کیا گیا

اوپاپِ نظر کے لئے وہی کافی معلوم ہوتا ہے۔ افسوس کہ پنجاپ کے آسمانِ ادب کا یہ

درختنما نتارہ (اختر)، یکم جنوری ۱۹۵۸ء کو موت کی آمد ہی کے ایک ہی جھونکے سے

بچھ کر رہ گیا۔ کیا خوب آدمی تھا خدا سفیرت کرے۔

## نوش طیانی

# ہری چندا اختر کی بادیں

پنڈت ہری چندا اختر کا نام میں عرصے سے سُننا آیا تھا۔ حفیظ کے سوز و سانہ پر ان کا مقدمہ دیکھ کر ہی میں ان کی منظر اور بلندی کا قابل ہو گیا تھا۔ مگر ملاقات کی نوبت بہت بجی میں آئی۔ لکھنؤ میں ایک دن ریڈ ٹیوپر کوئی مشاعرہ نہ شروع کیا تھا۔ اختر نے غزل پڑھی جس کا ایک مفرود اب تک ذہن میں محفوظ ہے اماں ملئی نہ صورا میں تو دیوانے کیا جاتے

میں کے بعد ان سے ملنے کا انتیاق بہت پڑھ گیا۔ لکھنؤ ریڈ ٹیوپر الوں سے بکا کہ اگلے مشاعرے میں ان کو ضرور بلایش۔ ہنوں نے یہ لایا۔ اختر نے وعدہ کر دیا کہ شرکت کریں گے مگر عین وقت پرہن آئے۔ مشاعری کی پختگی تو کلام سے ٹھاہر ہوئی تھی لا ابالی پن اس حرکت سے ٹھاہر ہو گیا۔

دوسرے سال پھر انہیں زحمت دی گئی۔ سرفراز اختر لیف لائے۔ مجھ سے ملنے کھرپاٹے۔ میں انہیں ساتھ چونپور کے ایک مشاعرے میں لے گیا۔ راستے میں پڑتے درے کی گفتگو رہی۔ ہنوں نے اپنے شرپ بہت کم نہ لے گرامی اقبال، ظفر علی خاں، تابور، تایشر، سالک کے بہت سے بیان کیے۔ سبل سعیدی بھی سفر میں شرکیے تھے جونپور کے مشاعرے میں انہیں پڑھتے دیکھا، کلام نہ، مشاعرے میں شراء پر دل چیپ اور برمحل فقرے میں، زندگی، ادب، مشاغل، کاظمنوں، دوستی، شمنی، لاء ہو رکی ادی فضا، دہلی کی انجمنوں کی کشکش، سرکاری ملازمت سب پر گفتگو رہی۔ مجھ محسوس ہوا کہ ایک پڑتے باغ و بہار آدمی، ایک بڑتے مخلص اور بے ریا دوست، ایک فاضل، ایک کرٹھے ہوئے انسان اور ایک زخموں کی کائنات دل میں لیے ہوئے محفل کیز عفران زار بنانے والے سے ادب کے اور ادینی محبتوں کے کسیاۓ مل رہا ہوں۔ میں کسی سے جلد متاثر نہیں ہوتا۔ اختر کا رُغب بھی یہ رے اوپر نہیں پڑا مگر ان سے مل کر جی پڑا خوش ہوا تھا۔ ایک اچھے شاعر، ایک صاحب نظر، ایک بار دن کے بیار سے مل رہا ہوں اور مل کر پڑتے نفع میں ہوں۔

پنڈت جی شیرانی کے شاگرد تھے۔ غالباً فارسی میں ایم اے کیا تھا۔ تبان اور فن پر بڑی گھری نظر کھتے تھے۔ گرامی اور اقبال کی بھیتیں اٹھاتے ہوئے تھے۔ تابور کے ساتھ اور ظفر علی خاں جیسے چکیت کے ساتھ معرکے حصیلے ہوئے تھے۔ حفیظ کی شهرت میں سر عبد القادر کے بعد ان کا بھی ناٹھ تھا۔ وہ پڑتے اچھے

دوسرا تھے مگر اپنے وشق تھے۔ ان کے سارے دوستوں نے ترقی کی اور کہاں سے کہاں منبع گئے۔ یہ حضرت  
براہمہ تنزل کرتے رہے اور اس یہی مگن رہے۔ اگر کوئی ایلیف شرفع ہو جائے تو اختر اپنے ذائقہ کام بھی  
بھول جاتے ہے۔ میری دعوت پر ایک من ترقی اردو ہندوکی ایک کانفرنس یہی جوانی ۱۹۵۰ء میں علی گڑھ  
آئے۔ سخت گرمی محتی۔ کچھ ہمان پریشان تھے۔ اختر پر موسم کا کوئی اثر نہ تھا، کانفرنس کی کارروائی میں گرمی محتی  
سے حصہ لیا۔ مشاعرے میں شراپر فخر سے چوتھا کرنے والے تھے مگر میرے آنکھ کے اشارے کو سمجھ گئے  
اور باز رہے۔ جیسے چاہتا تھا کہ وہ آتے ہی بے تکلف نہ ہوں۔ بڑی اچھی غزل پڑھی۔ لطف یہ کہ بیدار سادے  
طریقے سے پڑھتے تھے۔ اشعار میں سے جذبہ باتیت کا نام نہ ہوتا تھا، بڑے پتے کی باتیں ازمنگی کے  
ہمہ سے تحریکات مرے سے بیان کر جاتے تھے۔

جب اختر ریسیار ہو گئے تو مالی حالت اور خراب ہو گئی۔ بہت دن سے انھیں انہیں میں ملنے  
کا خیال تھا۔ عرش اور آزاد کو نکھا کہ انھیں آمادہ کریں۔ نیا رہ گئے۔ حضرت جوش ملبانی کو خداوند عیض  
پیش کرنے کے لئے دسمبر ۱۹۵۰ء کے شرفع میں جلسہ ہوا اس میں بڑی محبت سے۔ تقریباً بھی کی اُد  
کلام بھی سنبھالا۔ پھر علی گڑھ آنے کا وعدہ کیا۔ بعد میں خط آیا کہ ماہر کوٹے کے مشاھرے میں گیا تھا۔ بیمار  
ہو گیا ہوں۔ نمونیا کا اثر تھا مگر نمونیا میرا کیا کیا۔ چنانچہ اچھا ہو رہا ہوں۔ چند روز کے بعد اُوں گا  
کچھ دن کے بعد میں دہلی گیا وہاں پہنچے۔ یہ خبر ملی کہ اختر کا انتقال ہو گیا۔ مشاعرے انھیں لے دو بے۔  
دل موس کر رہ گیا۔

ہری چند اختر جس نسل کے نمایندے تھے وہ اب ہماری آنکھوں کے سامنے رخصت ہو رہی ہے،  
اس نسل میں ادب سے عشق تھا۔ اس کا فن کا شور غاصہ ہگرا تھا۔ اس نے قدم رنگ سے اپنا رشتہ قائم  
رکھا تھا اور نئے رنگ کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ یہ ہماری مشترک تہذیب کی مہرہین خصوصیات کی علیحدہ  
تھی۔ اس میں وضع داری تھی، زندہ ولی تھی، خلوص تھا، ہمارے پرائیشوب دورتے اسے کچھ افسوس  
کر دیا تھا مگر یہ اس سے ہار مانتے والی نسل نہیں تھی۔ اردو ادب پر اس کا احسان بجلایا جائے گا۔  
مجھے خوشنی ہے کہ مجھی عرش ملبانی کی کوشش سے اختر کے کلام کے بکھرے ہوئے اور اُق  
یکجا ہو گئے ہیں اور شائع ہو رہے ہیں۔ اختر ادب کو جو کچھ دے سکتے تھے اس سے کم شے پائے مکروہ  
کچھ چھوڑ گئے ہیں اس کی آیہ و تاب بھی جلد مانند ہو سکے گی۔

امیں حمد سرور

۹۔ مارچ ۱۹۶۰ء

## پادِ درست

ستائیں اٹھا بیس سال کی بات ہے اسلامیہ کالج لاہور کے سمجھے ایک تنگ گلی میں ایک سادہ سے مکان میں داخل ہوا تو پنڈت جی کو پہلی بار دیکھا۔ برآمدے کے فرش پر صرف ایک انگوچھا نیب تن کے ایک چھوٹی سی یا لٹی سامنے رکھے آم چوس رہے تھے۔ میں انھیں پہلی ہی نظر میں پہچان گیا وہ مجھے پہچان گئے۔ پوں محسوس ہوا جیسے برسوں کے شناساطے ہیں۔ آؤ بیٹھو اور میرا ساتھ دو۔ یہ کہہ کر ایک بیٹھا آم مجھے پیش کرتے ہوئے کہنے لگے۔ "سامان ہماں ہے کیا خالی ہا تھا آئے ہو؟" میں نے کہا "میں تو کل رات ہی آگیا تھا اور رامگلی میں ماسٹر جگت شکھ صاحب کے یہاں ٹھہرا ہوں۔" اس تکلفت کی کیا ضرورت تھی یہدھے یہاں چلے آتے "یہ کہہ کر پنڈت جی نے بے تکلفی کا آغاز کیا۔ والد کا مزاج پوچھا اور ساتھ ہی یہ تقاضا بھی کیا کہ سامان اٹھا لاؤ۔ نیچے لاہور سے باہر گئے ہوئے ہیں خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو"

پنڈت جی سے میری پہلی ملاقات کی یہ تفصیل ہے۔ اس کے بعد زندگی کی ایک طویل مدت ان کی رفاقت میں گزری۔ ان کی مترافت نفس کے صدقے میں "سگ باش براور خود مباش" کے معنوں سے آشنا ہوتے ہوئے خود کو ان کا برادر عزیز نہیں بلکہ

برادر خود بمحکم کر فخر گزنا تخلص اختر تھا۔ ذہانت اور علم کے آسمان کے ود آفتاب پتھے۔ لیکن انہیں اختر صاحب ہوتے تھے۔ پچھنام کی قید لگا کہ ہری چڑا اختر کہتے۔ ہم سب، بیس اور ان کے دوسرے خاص احباب، انہیں محض پیدا تھے جی کہتے۔ اسی محظوظ نام سنتے انہیں اپنی بھی یاد کرتے ہیں۔

یعنی جنوری ۱۹۵۸ء کی شنبہ کو وہ عالم لقا کو سنبھارے۔ ماپر کوئی کے مشاعرے بیس ۱۵- دسمبر کو میرے ساتھ گئے تھے و اپنی پرانی نیزا اور نوبیا کا شکار ہو گئے۔ یہاں تک تو بیس نے بھی ان کا ساختہ دیا۔ وہ صحت بیاپ ہو گئے۔ یہ شہر صحیہ اس۔ دسمبر کو ایک دوست نے دی جب بیس ان سے ملنے کے لئے جا رہا تھا۔ دوست نے مجھے روک لیا اور کہا "پیدا تھی مکان پر نہیں ہوں گے۔" بیس ہر کہیا اور ان کے دیدار سے محروم رہ گیا۔

۲۔ جنوری کی عصی کو۔ بیچے کے قریبی کسی نے دروازہ کھلکھلایا۔ اندر آیا تو ایک نوجوان جسے بیس چاندا بھی نہیں تھا کہتے لگا۔ بیس اختر صاحب کے مکان سے آیا ہوں، میرا ماننا ٹھہر کا۔ بیس نے سوچا پیدا تھی عام حالت بیس اپناؤ کھدید کسی کو نہیں تھاتھے۔ فرور کوئی غیر معمولی بات ہو گی۔ لیکن اندازہ صرفت بہیں تک تھا کہ وہ شنبہ بیمار ہوں گے۔ محض ایک دو سینٹ کے وقفہ کے بعد اس نوجوان نے کہا کہ رات ان کا انتقال ہو گیا۔ بیس یقین رکھ کر سکا۔ لیاقت سے باہر نکلا اور اس پیاسا میرے مذہب کے ساختہ صرف اتنا کہا کہ چلے، بیس چلد پہنچا ہوں۔ مکان پر گیا تو ایک کہرام پیا ہوا تھا۔ نیچے بلکہ بلک کھرور ہے نہتے۔ مجھ سے پیٹ کر کہتے لگے۔ "چاپیا جی! باپو جی کو بلا سیئے۔ وہ بولنے نہیں آپ بلا یہیں گے تو وہ ضرور بولیں گے۔"

آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاپ بہنے لگا ان کے قدموں کی طرف بڑھا، آخزی سجدہ  
 کیا اور صحن میں ان کے چاہنے والوں کا انتظار کرنے لگا۔ دس بجے کے بعد جنازہ اٹھا تو  
 بے اختیار رزیان سے نکلا "خاموش ہو گیا ہے چین بولتا ہوا" جس کو بھی خبر سوئی وہ پہنچا  
 کوئی مکان پر، کوئی شمشان کے راستے میں اور کوئی شمشان پر۔ لا ہو رکی ادی فضاؤں کا  
 درخشنده تارہ، دلی کی محظوں کا صدر اپنے آخزی سفر پر تھا۔ آخزی رسوم ادا کر کے سب  
 لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ دوار کا داس شعلہ، مہندر سنگھ بیدی، راجندری، خوشتر گرمی  
 زبیر، پر شو قم لال غیبا، جگن نا نھ آزاد، تلوک چند محروم، شمشیر سنگھ زردار، ملکھی رام اور  
 کتنے ہی ادب لواز، ادب دوست اور ادب پرورد اس جسم کو نذر آتش کرنے کے لئے جع  
 ہوئے تھے جسے اگر ذرا سی آپ بھی لگتی تو یہ لوگ بنبلا آٹھتے۔

قدر داں کمال اس دنیا میں ملتے نہیں تو صاحب کمال بھی کیوں رہیں۔ ہری چند اختر  
 بڑے بھائی، شفیق دوست حتیٰ کہ مرشد بھی کہہ دوں تو مبالغہ نہیں اس دارِ فانی سے  
 چل دئے ایک دائمی سکون کی تلاش میں، اس نامنجار دنیا کی آلافشوں سے دور، ناقدِ عالم  
 سے تنگ آ کر نہیں بلکہ اس پر ایک خفارت آیز نظر کرتے ہوئے  
 ناؤ کواک ساحل تو ملا طوفانوں سے چین تو ہے

موت ہے اچھا موت ہے میں اس گھاٹ آتیا ہوں

اس دور میں شرافت نفس کا تحط ہے وہ شرافت نفس کا پیکر ہے تھے۔ اس دور  
 میں علم و فن کی کمی ہے وہ علم و فن کے اعتبار سے صاحب کمال تھے۔ اس دور میں تملق  
 اور خوشنامہ کا بازار گرم ہے وہ خوددار اور غیور تھے اس عذت کے خوددار اور غیور تھے کہ خود  
 اپنے قول کے مطابق ہے

نیویورک بندی دی ٹائم نے تو بیس سبھا  
سگان دہر کے آگے دو تا ہونے کا وقت آیا

جس کو دیکھتا ہوں ان کے لطیفوں کو روتا ہے۔ ان کی بھروسہ شخصیت بیس صرف  
پذلہ سخنی ہی کے پہلو کو دیکھتی ہے۔ کم استعداد کے لوگوں کو وہ لطائف سے خوش کر دیا کرتے  
تھے۔ ان کی شخصیت کو صرف لطیفوں تک محدود کرنا ان سے ظلم اور اپنی غفل کا ماتم کرنے ہے  
علم و فضل کے اعتبار سے ان کا مرتبہ بہت اونچا تھا۔ وہ ایک علیٰ پھر تا انسائیکلو پیڈیا  
تھے۔ منظم و نظر پر گیارہ قدرت تھی۔ ہر ذہین آدمی سہل انگار ہوتا ہے، وہ ضرورت سے  
زیادہ ذہین تھے اس لئے ان کی سہل انگاری عیوب کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ انہوں نے  
نظم و نظر کی صورت میں اتنا کچھ لکھا یہیں ایک بھی مجموعہ ان کی زندگی میں شائع نہ ہوا۔  
اب بھی ان اور اس پر میشان کو جمع کرنا سفت خواں طے کرنے کے برائی ہے۔ بیس نے ان سے  
پارہ تھا اس کا مجموعہ مرتب کر دیں۔ جس بات کے لئے بیس زیادہ تھا اس کا مرتبہ اسے  
پیرے ذمے لگا دیتے۔ ان کی کچھ غریبیں میں نے جھن کی تھیں وہ محفوظ ہیں یہیں بہت  
سا کلام اور دوستوں کے پاس محفوظ ہو گا۔

ان کے علمی تحریر اور حیرت انیگر۔ قوتِ تحریر سے متعلق ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ولد  
کا مجموعہ کلام، جنون و ہوش، مرتب ہوا تو بیس نے پنڈت جی سے کہا کہ دیبا چہ با مقدمہ  
کون لکھے گا۔ ہندوستان و پاکستان کے ادیبوں اور نقادوں کے کتنے ہی نام انہوں نے لئے  
ہیں انکار کرنا چلا گیا۔ گھبرا کے ہئے لگے تو پھر خود ہی لکھ داوا۔ بیس نے کہا اس سے بھی  
ترزویک کی بات کرتا ہوں یہ مقدمہ آپ کو لکھنا ہے۔ کرسی سے چھپل پڑے اور کہنے  
لگے اس سعادت کا میں واحد مستحق ہوں اس کا مجھے علم نہ تھا۔ مسودہ لے گئے یہیں تین چار

ماہ بیت دلسل میں گزر گئے۔ میں ان کی غیر حاضری میں ان کے مکان سے مسودہ لے آیا۔ دوسرے دن پورے دس سیچھ دوسرے دفتر میں موجود تھے۔ ان کے قبور کہہ رہے تھے کہ میر بی اس جاگرت ہے انہیں رنج پہنچا ہے۔ ذرا سرہ نش آمیز ہجھے میں مجھ سے کہنا گے مسودہ کیوں، ٹھا لائے ہجھے تو کل رات مقدمہ لکھنا تھا، مسودہ ہی وہاں موجود تھا میں نے کہا مسودہ حاضر ہے۔ یہ پہنچا ہجھے اور لکھ دیا ہے۔ میں لمحے سے نکل گیا چار بیکے کے قریب کیا دیکھتا ہوں کہ ۳۲ صفحے کا مقدمہ لکھ پائے تھے اور مقدمہ پڑھ دہ جوارہ نہ اور مقدمہ لکھاری کی تاریخ میں اہمیت پادگار رہے گا۔

انہوں نے تاذن برس کے قریب عتر پائی۔ ہوشیار پورہ کے فتح کا ایک غیر معروف ذصیہ صاحب ہے ان کا مول تھا۔ ان کے خاذان میں ادیپ توکیا معروی علم سے شناسایتی کوئی صاحب نہ تھے۔ بد خدا کی دین منتی کروہ اس غیر معروف خاذان اور غیر معروف گاؤں کے فرد ہوتے ہوئے علم و ادب کی دنیا میں پائی از شہرت کے بالکل ہوئے۔ جالندھر کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھے کہ خفیظ جانندھری سے ملاقات ہوئی۔ شتر کاشق تھا انہیں کے شاگرد ہوئے۔ یہ ہم عمر استاد اور شاگرد اسی زبان سے یک جان دو لب کوئے۔ یہ رفاقت ٹوٹی تو ایک کی موت سے۔ جالندھر سے فارغ التحصیل تو کہ پنڈت جی لاہور فارمن کر سمجھن کا بھی میں داخل ہو گئے۔ شروع شروع میں شرما تخلص کرتے تھے۔ خفیظ صاحب کے مشورے سے اختر تخلص رکھا۔ ذہین اور طبائع تھے مگر امی مرحوم کی صحبتیں سے جالندھر میں فیض بایب ہوتے رہے۔ کانج کے بیگنیں کے اپدھر تھے۔ لمنز درماج فطرت میں تھا ”دو زندگی“ تخلص سے بہت ہی نادر نظمیں تسبیف کیں۔ اخبارات میں کلام چھپئے لگا۔ لاہور ایس پی ایس کے ہال کے نہ کامنزیں

مناغروں میں شرکت ہوئے گی تباشیر، سارا، ورثوں علام محدثین احمد کی ہم بخشی کے نتائج  
 میں بھی اسے پاس کرنے کے بعد پھول کے دفتر ہیں ملزہم ہو گئے۔ سید استیاں کی تائج بخشی  
 ان کے تخلص دہستوں میں سے ہیں۔ اسلامیہ کالج میں داخل ہوئے اور فارسی میں باہم  
 کیا۔ مدرسہ منورہ لائی مرحوم وزیر تعلیم تھے ان کی توجہ سے پنجاب اسمبلی کے دفتر ہیں اپنے مد  
 کو ہمدردی پر فائز ہو گئے۔ ۱۹۲۹ء تک ایک قدر میں اپنے پیشہ میں رہے۔ یہ مائن کی  
 اونی سرگر بھول کا مہماں ہے اسی زمانہ میں۔ ادھر مرانا آجور سے الجھنی ارباب حکم پنجاب کی  
 پنجابی ادھر پیدا ہوئی اور ان کے ساتھیوں نے مولانا سے تعلیمات رائے کی وجہ سے  
 پڑھا ہم اوس پنجابی قائم کی۔ دو لوگوں بزرگوں کے مشارع سے ہوئے ابڑی ہنگامہ رائے کی  
 ہوئیں۔ ادھر لالہ کرم چینے ہفتہ والہ اخیار پارسی چاری گرد رکھا تھا۔ پنڈت جی  
 اس میں مسلسل تھیتی۔ اربی بیانات ٹاہر کرے ہیں ذرا بھی حریق نہیں کہ اس کے پیشہ  
 اوارتی نوٹ اور نمکاری پنڈت جی کے قدم سنتے ہوئے تھے۔ ملک بھر میں نمک، وان کی  
 وصولی تھی۔ مناغروں کا ذکر بتوڑا، مخالفت اور موافقت ہیں قلم رائے کا ہوئیں۔ کوئی  
 اونی واقعہ ہوتا کوئی سبیاسی تباش عرضہ رکھتا۔ یہ اور ایک بچہ اجھا بیٹا میتے ہے اور مرتاح۔  
 تاہور کے تلاف بہت کچھ لکھا گیا، لفڑی خار کی مظموں کے بواب میں کے بخشی راج نہیں  
 ارمان اور پھیال سنگھو شیدا سے تو شفیعیان ہوئیں، حسن نباہی اور محمد علی کے بھکری سے کو  
 اچھا لاجاتا، زبان اور فن کے زیارات پر بختیں ہوئیں۔ اللہ المد کیا زمانہ تھا۔ بانت  
 میں بیان نکلتی، خوش فکری کے یوہ کلیتی، بذله سی فرداں پڑھتی، صفت ارشیاں  
 ہوئیں۔ وادہ واہ سبھاں اللہ کا مشور پڑتا، کادھو کا بازار گرم ہوتا۔ ذہین لوگ میتے۔ طبیاعی  
 ان کا خاصہ تھا۔ احمد شاہ بنواری پطرس بھی ان کے شرکیں کار تھے۔ کسی کی مونچوں پر

پہنچتیاں کئے رہی تو کسی لور کما لھائے چکندا۔ پڑانے لوگ زبان میں کچھ سناتے تو پنڈت جی زبان سے ارشاد فرماتے اور زبان کی قلا بازیوں کا مذاق پریزوں سے اڑاتے۔

کہا کابل چلے جائیں، کہا کابل چلے جاؤ  
کہا افغان کا ڈر ہے، کہا افغان تو ہو گا  
کہا ہم چین ہو آئیں، کہا تم چین ہو آؤ  
کہا جاپان کا ڈر ہے، کہا جاپان تو ہو گا

پنڈت جی مشاعرے میں بہیثہ ایک گوشے میں بیٹھتے۔ احباب کا جمیع ان کے گرد ہوتا۔ ہر شتر پر تیرہ ہوتا اور وہ دلکات نکلتے کہ مشاعرے کا یہ گونشہ زعفران زاریں جاتا۔ ایک پنڈت اور کہنہ منق شاعر غزل پڑھ رہے تھے 'بات کتنی' 'رات کتنی' زمین تھی

اکنہوں نے پہلا مدرع پڑھا

یہ ول ہے یہ حسگر ہے یہ کلیبی

پنڈت جی بھلا کپ پوکے والے تھے فراً مدرع نیبا اور بند آواز سے پڑھا  
قیامی دے گیا سوغات کتنی

محفل میں تھے پر قہبہ بلند ہوا۔

رام رچیاں سنکھو ٹیدا کا محل، راج نرائی ارمان کی مونجیں تابور نجیب آبادی کی  
توہن، حسن نہایتی کی تبلین، نلفز علی خاں کے آباء کا پیشہ خشت پڑی کس کس بات کو ستم طریق  
دوڑخی نے موضوع سخن نہیں بنایا۔ نلفز علی خاں سے لوک جھونک ہو رہی تھی کہیں ان کے  
شعر میں تھیں نظر آئی پوری منظم صفت تھی تھی میں کہہ ڈالی۔

پھر طفر کے بعد گائے ایسے ڈھوٹے کون گا پھرستائے ھٹھریاں پسے پو بو لے کون گا

بھر کے لے جائے یونہیں چینے کے جھوٹے کون گا  
 حالِ دل پوچھنا الگ اس نے تو بولے کون گا  
 چُن کے تیزے واسطے لایے غلوٹے کون گا  
 وہ اگر آئے تو پھر دروازہ کھوٹے کون گا  
 امّتِ مرحوم کی جیبیں ٹھوٹے کون گا  
 بیض تک خاموش رہ جاتی ہے رعیت حُن سے  
 تو جو مجھ پر کہ رہا ہے بے خبر مشقِ کلورخ  
 ہے شبِ وعدہ ادھر مجھ پر ہے غلبہ نیند کا  
 دوزخی صاحبِ بھی ساحل سے چھٹ بیٹھے اگر  
 عشق کے طوفان بیس کھاٹے جھکوٹے کون گا  
 پیر وڈی کی مرفت دوستانوں پر اکتفا کرتا ہوں  
 یہ لے بوتل کے دام کہ ساقی رات گزرانے والی ہے  
 اور یہ تیرا انعام کہ ساقی رات گزرانے والی ہے

اور روانی چناب کی سی ہے	شیر میرا ہے مثلِ سندھِ غمین
دلِ خانہ خراب کی صورت	دلِ خانہ خراب کی صورت
جون کے آفتاب کی سی ہے	گرمیِ عشق یعنی گرمیِ عشق
میری حالتِ جراب کی سی ہے	اک طرف پاؤں اک طرف جوتا
نشکل بالکل جناب کی سی ہے	پیش بھی دوزخی ملے تھے آج

صحیح ذوقِ مزاح اس کو کہتے ہیں کہ آپ پر خود فرب پڑے تو آپ بول کھلائیں تھیں  
 خود اپسے نام کے دو لبیف وہ خود ہی مزے میں کے کہ بیان کیا کرتے تھے ۔ لاہور ریڈ یو  
 میں ملازم تھے ۔ پنج کا وقت تھا کسی محترمہ نے ٹیلی فون کیا ۔ پنڈٹ تجھی سے محترمہ سے

کما کہ ممتاز صاحب کو وہ ان کا پیغام پہنچا دیں گے کیونکہ وہ ابھی موجود نہیں لیکن پرگئے ہیں۔ مختار مدد نے ٹیکنون پرپاچھا آپ کا اسم گرامی ہے آپ نے جواب دیا ہری چند اختراء مختار مدد نے کہا ہری چند..... آپ نے ڈیا یا اختراء۔ مختار مدد نے کہا سبحان اللہ کیا نام ہے ہری چند اختراء۔ یہ تو ہی بات ہوئی ممتاز شانی۔

دوسرالطیہر یہ ہے کہ ان کے دیکھ پاکستانی دوست نے کہا پیدائش جی ہمیں عربیں کیوں نہ ہوں ان کا نام نامی تو ہمارا قومی جمہد اب ہے۔ ہری چند اختراء بزرگ اور چاند تارا۔

گرامی، اقبال، سر عبد القادر، طفر علی خاں، راجہ نر ندرنا نخھ، رائے بہادر کنور سین کی صحبتیں میں شامل رہے۔ گرامی پر ایک دل چیپ مضمون آپ کے فلم سے آج کل کے صفات کی زیبنت یعنی چیکا ہے۔ اقبال کی مخلوقوں کے بہت سے قصہ ہم نے ان سے لیے۔ ہرف ایک قصہ یاد رکھ لیا ہے۔ بیمار محمد لاہوری اُن کو روٹ کے ایک مشہور دیکیل تھے۔ ایک ٹانگ شان تپوری کی حامل بختی۔ ایک دن ایک فارسی غسل نرخ پا لائکن کہ ارذائی ہسوز کے مدرس پر کہہ کر لائے، علامہ اقبال کو سزا فی۔ وہ سننے رہے اور آخر دن ایک فی الجد میہہ شتر سے داد دی میں

مگر چہ در قاؤں فلک پیکاشتی بروز میں شعر لئکا تی ہسوز

فاضی فضل الحلق گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے۔ انھیں نام صاحب کا خطا پ ملا۔ صوفی غلام معطفہ الکھر تھے۔ صوفی صاحب نے اس موقع پر ایک منظم نظر گردان اخڑ گردان کی زمین میں سنائی۔ پیدائش جی نے برحستہ ایک دعا ائیہ شعر کہا ہے

فاضی مارا خاں بہادر کن صوفی را لکھ را رت زگرداں

جموں کے مشاعرے میں شامل ہونے کے نئے شعراء کی کمیپ لاہور سے ریل میں  
سوار نہیں تو پنڈت دستہ پرشاد فدائے رافوس حال میں آپ کا بھی دبلي میں انتقال  
ہو گیا ، اختر صاحب سے کہا کہ غزل تو کہہ لی ہے مقطع نہیں ہوا - زین نہیں خدا ہو کر  
دعا ہو کر۔ اختر صاحب نے کہا یعنی مقطع حاضر ہے

مرا جیبیں کا آخسر دل لگانے پر ہی ملتا ہے

قدا صاحب کسی پر دیکھ دینا تھا فدا ہو کر

قدا صاحب بڑے میتین اور لفظ آدمی تھے۔ احباب نے یہ مقطع سننا تو ریل کا ڈبہ ایک فرمائشی  
قہقہ سے گونج اٹھا۔ علمی مباحثت میں خواہ مخواہ کو دیکھنا اختر صاحب کی فطرت نہیں۔ بذل سخنی  
کا کوئی موقع ملتا تو چوکتے ہنیں تھے۔ علم و فن کی بصیرت کے لحاظ سے بڑے بھاری بھر کم  
السان تھے لیکن ان کی ذاتی نشرافت اور انکسار کے قصے اگر لکھنے بیٹھوں تو پوری کتاب  
ہو جائے۔ وہ یاروں کے یار بڑے ملنے اور ہر جہت سے بلند مرتبہ آدمی تھے۔ تمام عمر  
دوستوں کی خدمت کرتے رہے۔ خود تنگ دست رہے لیکن دوستوں کی تنگ دستی دیکھنے  
سکتے تھے۔ دفتر سے گھر تک آتے آتے آدھی تغواہ بانٹ دیتے۔ فرضہ لے کر احباب کی  
مشکل کشائی کرتے۔ ان کے خاندان میں بیواؤں اور بیٹیوں کی بڑی تعداد تھی۔ جب کبھی وطن  
جلتے جب بیس بوجھہ ہوتا تقییم کر دیتے صرف ریل کا کراہی پیچ جاتا۔ اس سلسلے میں بعض  
”دوستوں“ نے ان کی اس نشرافت سے ناجائز فائدہ بھی اٹھایا اور وقت آنے پر کبھی ان  
کی بات نہ پوچھی۔ غالباً اسی سے ممتاز ہو کر انہوں نے یہ غیر فانی شتر کہا ہو گا تے  
ہمیں بھی آپڑا ہے دوستوں سے کام کچھ لجئی ہمارے دوستوں کے بے وفا ہونے کا وقت آیا

۱۹۳۰ء میں چوان بیٹی کا انتقال ہوا۔ دوسرے متیر سے دن ہی احباب کی محفل میں  
شامل تھے۔ ایسا صابر اور فانع انسان ہیں نے دیکھا ہی نہیں۔ محاشر کی خاطر انہوں نے  
بھی بڑے لوگوں کے آستاناں پر سر نہیں جھکایا۔ ایک دن جناب جوش ملیع آبادی  
نے میری موجودگی میں ان سے کہا کہ اندر صاحب آپ کی معاشری بہتری ہو جی تو کس طرح  
آپ تو استئنے کاہل اور مستغفی ہیں کہ جس سے آج ملنے کی ضرورت ہے آپ اس سے ہمیئوں  
بعد ملیں گے۔ فرانس نے لگے۔ ”جو شص عاصب و افخیہ ہے کہ میں عرش کے ہکنے کے سوا  
کسی اور کے ہکنے پر کسی آستانے پر سجدہ کرنے نہیں جانا۔ لیکن جب اس کے ہکنے پر چلا  
جاتا ہوں اذرحیں کے پاس جاتا ہوں وہ مکان پر نہیں ملتا تو بڑی راحت لجیں ہوتی  
ہے۔ یہ نہیں ان کی شان استغفار۔

ایک دن خلافِ توقع مجده سے ملنے کے لئے آئے۔ ہیں نے کہا ہکنے کیا ارشاد ہے  
کہنے لگے سور و پی لا و فوری ضرورت آپڑی ہے۔ میں نے تذبذب کا انہصار بیا۔ سور پی  
دینے کے خیال سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ یہ سور و پی بھی ’یزرات‘ سونے والے ہیں  
ہیں نے کہا۔ پنڈت جی مجھے اور بھائی کو میں شکایت ہے کہ آخر آپ کرتے کیا ہیں۔  
پھوٹ کے لئے چھین کر دوستوں کو دیتے ہیں یہ واجب نہیں۔ انھیں یہ ’تنقید‘ اچھی نہ  
لگی۔ ذرا آزردہ خاطر ہو کر ہکنے لگے تم دلوں مجھ سے جواب ہلک نہیں کر سکتے۔ میری  
بداعمالی دیکھو تو مجھے گردن زدنی فرار دے سکتے ہو۔ اتنا کہا اور جیب سے سو سور پی  
کے پانچ نوٹ نکال کر ہکنے لگے کہ میں ایک نوٹ کا افتخار اور گرد و۔ ایک دوست کی جان  
آج چھ سو میں بچتی ہے۔ میں دیکھتا رہ گیا۔ دل ہی دل ہیں میں نے ان کے قدموں پر سر  
جھکایا اور سور و پی ان کی نذر کئے۔ خوش خوش گئے اور ہکنے لگے کہ بہت جلدی سور پی

و اپس کے دوں گا۔ چنان چہ ایسا ہی ہوا۔ عظیم المرتبت انسان فرض سے کر دستوں کی مدد کرتا تھا۔

راشنگ کا زمانہ تھا پہلا ملتا ہیں تھا۔ ایک عقیدت مذکورہ توں کا تھا ان لایا اور پنڈت جی کو دیے گیا۔ وہ تھا دفر میں بیز پر پڑا تھا کہ ان کے دوست، ماتحت حصہ کم چڑھائی تک آئے اور ایک دو دو قبیس کا پڑا ان سے لے گئے ان کے نئے ایک دھنی بھی زخم پر پڑی باندھنے کے لئے نہ بھی۔ طرہ یہ کہ انھیں بہ تھا قیمت ملا تھا اور مالی مفت کی حیثیت سے تقیم ہوا۔ ایسے سیکڑوں قصہ ہیں کسی کس کو بیان کر دوں۔

حروف شکا بست بھی زبان پر نہیں آیا اور آیا بھی تو بڑے رکھ رکھاؤ سے۔ خود بھی فرماتے ہیں

کہیں افراط می ہے چہرہ افراد	کہیں ہنون جگہ باقی نہیں ہے
مجاہِ دم زدن کس کو ہے بارب	مگر یہ شین رزاقی نہیں ہے

درد سے کراہنے منہ سے ہم سے نکلے کو ہوئی کسی بچے کو مجرم کی طرف آتے دیکھنے تو اس ہم سے کوپی جاتے مہادا بچوں کو سخن ہو۔ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی بچوں کو اس کا علم تک نہ ہوا۔ دوار کا داس شحلہ کو بلوایا اور کہا کہ میری آنکھوں میں کچھ تکلیف ہے۔ آنکھیں بند کر لیتا ہوں تو راحت ہوتی ہے اس لئے میرا ہم تھ پکڑو اور مجھے ڈاکٹر کوں کے پاس لے چلو۔ خوبی قسمت سے آپریشن کا میاپ ہو گیا اور ایک آنکھ کی بینائی والپس آگئی۔ ان کے بچوں کو تادم مرگ یہ علم نہیں تھا کہ ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی ہفتی۔

میں مبینے سے پیش پر پختہ۔ ابھی پیش مذاشر فرع نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ایک دن پوچھا پنڈت جی کیسا سلسلہ ہے، اگر کیسے ہو رہی ہے؟ کہنے لگے شکر ہے بہت آچی

گزر رہو رہی ہے۔ ان کے انتقال کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اس 'اچھی گز رہو رہی ہے' کا مفہوم کیا تھا۔ ان کے انتقال پر ہندوستان اور پاکستان بیس بڑا ماتم ہوا۔ اخباروں میں مضمون لکھے گئے، جلے بھی ہوئے، مرثیے بھی موزوں ہوئے اقطاٹ تاریخ کی بھی بھرماد ہوئی۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ ضرورت ان پانچ معصوم یکبؤں کی نگداشت کی صفائحیں یہ غافل دستغی مالی ہم لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ گیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ دوستوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور اپنے حالات اتنے بايوس کن نہیں رہے۔ وہ پانچ بچوں اور ایک بیوہ کو خدا کے حوالے کر کے چلے گئے اس خدا کے حوالے جس کے باپ بیس انہوں نے کہا تھا

نومرے اعمال کا پاسند نکلا حشر بیس

اے خدا میرے خدا تجھ کو خدا سمجھا تھا یہیں

پنڈت جی بچلے گئے اس دنیا میں جہاں ہم سب کو پہونچتا ہے۔ دہ باراں تیز گام بیس سے نئے ہمیں جرس کاروان کے نالوں کے رحم پر چھوڑ گئے۔ اس دنیا کو انہوں نے جس انداز سے دیکھا اس کے پیشِ نظر عالم بالا سے یہی شرمنار ہے ہیں ۷

السلام اے بعدِ ما آمُستَدْگَانِ رَثْتَنِ

بر شہا خوش باد ناخوش ہے دنیا سے دنی

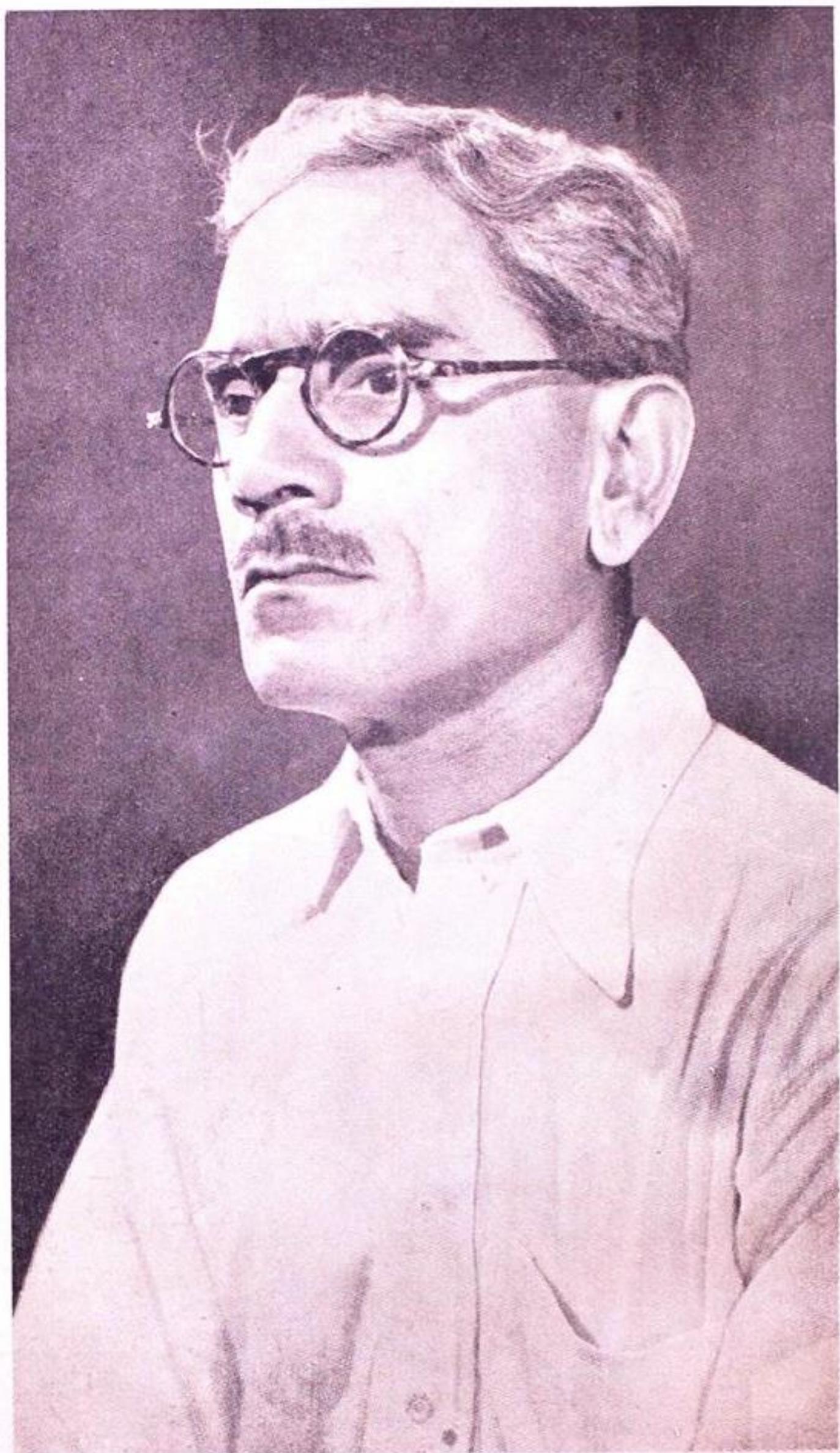
حشر و انسان

## گزارشِ مؤلف

پنڈت ہری چند اختر ناگہان طور پر یکم جنوری ۱۹۵۸ء کو انتقال فرمائے۔ ان کے انتقال کے بعد سب سے پہلی ہمدرت یہ بھتی کہ ان کے پیشوں کی بہگداشت ہو۔ ان کے احباب نے اس عظیم کام کو اپنے ذمہ لیا اور خدا کے فضل سے حالاتِ تسلی بخش ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق پنڈت جی کے حبیبِ لبیبِ مسٹر ممتاز حسن صاحب سابق سکریٹری فناں حکومتِ پاکستان ہیں۔ ان کے ساتھ بھی بخشی غلام محمد صاحب وزیر اعظم ربیاست جموں و کشمیر، کنو رہمند رستگھ بیدری، دوار کا داس شعلہ، راجنذر تلی اور دوسرے احباب کی کثیر تعداد ہے جنہوں نے اس کاریخیر میں حصہ لیا  
 پنڈت جی کا کلام ادھر ادھر منتشر پڑا تھا۔ وہ اپنی ذات سے اس قدر غافل تھے کہ کلام بھی یک چانہ ہیں کیا۔ اس مجموعے میں جو کچھ شامل کیا جا رہا ہے وہ منتشر اور اراق، احباب، یا اخبارات وغیرہ سے جمع کیا ہے۔ بہت سا کلام ایسی ہا تھہ نہیں لگا۔ احباب سے گزارش ہے کہ پنڈت جی کا جس قدر کلام اس کتاب میں مطبوعہ کلام کے علاوہ ان کے پاس ہو مؤلف کو عنایت فرمائیں تاکہ اسے لگھے ایڈیشن میں شامل کیا جا سکے۔

پنڈت جی ایک پختہ کار شاعر تھے۔ اس کلام میں اگر کہیں کوئی ستم نظر آئے تو اس کی ذمہ داری ان پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اسے مؤلف کی کوتاہی پر محمول فرمانا پڑتا ہے۔ کلام جب ادھر ادھر سے حاصل کیا جاتا ہے تو اس قسم کی یا نیس ناگزیر ہو جاتی ہیں۔

## عِشْ طیافی



ہری چندا خڑ

کفر دایمیاں

وہ اپھے کئے یا بُرے کٹ گئے

بہم مل کے دو دن آنے سے تو تھے

دلول میں بھی فرق آگیا تھا تو کیا

نگاہوں کو حاصل نہیں سے تو تھے

بُرا جانتے تھے تو پھر کیا ہوا

بُرے ہی ہی ہم تھاں سے تو تھے

شیاب آیا کسی بُت پر فدا ہونے کا وقت آیا  
مری دنیا میں بندے کے خدا ہونے کا وقت آیا  
انھیں دیکھا تو زاہد نے کہا ایمان کی یہ ہے  
کہ ابِ انسان کے سجاد روا ہونے کا وقت آیا  
تلکم کی تھوڑی بھسہ رہی ہے حرفِ مطلب سے  
کہ اشک امیر مظروں سے ادا ہونے کا وقت آیا  
خدا چانے یہ ہے اور ج بعیسی یا پستی ہمت  
خدا سے کہہ رہا ہوں ناخدا ہونے کا وقت آیا  
ہمیں بھی آپ رہا ہے دوستوں سے کام کچھ یعنی  
ہمالے دوستوں کے بے وفا ہونے کا وقت آیا  
لورید سر بلندی دی منجم نے تو میں سمجھا  
سگانِ دہر کے آگے دوتا ہونے کا وقت آیا

ذہن رہنِ قومیت احسان مجبوس وطن  
و اے نادافی نفس کو آشیاں سمجھا تھا میں

ہاتھ تسل ہوتے رہے بہر دعا اٹھتے رہے  
تیری بے فہری کو اپنا احتساب سمجھا تھا میں

ستئی ایماں کا کچھ باعث ہے ورنہ ایک ن  
آتشِ نمرود کو مجھی گلستان سمجھا تھا میں

اہ سوداگر ہی تھے وہ دوست بھی آخر جنپیں  
پے تیاز کاوش سُود و زیاں سمجھا تھا میں

تو مرے اعمال کا پا پسند نکلا حشر میں  
اے خدا پیرے خدا! تجھ کو خدا سمجھا تھا میں

سیرِ دشیا سے عرض تھی محو دشیا کر دیا  
یہ نے کیا چاہا ہرے اللہ نے کیا کر دیا  
اُرزوں کی پُرہ سکوں بستی ہیں مل جل ڈال دی  
اک نگہ سے تو نے دل ہیں خشن رہ پا کر دیا  
روکنے والا نہ تھا کوئی خدا کو اس نے  
جو کچھ آیا اس کے جی ہیں بے محابا کر دیا  
ہاں اسی کم بخت دل نے کر دیا افسانے راز  
ہاں اسی کم بخت دل نے مجھ کو سوا کر دیا  
عشق جا ان تیری یا توں میں نہیں آتے کے ہم  
اچھے اچھوں کو جہاں ہیں تو نے رسول کر دیا  
زندگی بیٹھی محتی اپسے حُن پر مجنولی ہوئی  
موت نے آتے ہی سارا رنگ پھیکا کر دیا

حُسن کی پہلی توسیب مجھ پر حقیقت کھول دی  
اور پھر نامو شر رہتے کا استشارة کر دیا  
بے کسی کے دو شش پر اکد بوجنہ تھا باہمیہ  
مرحبا اسے پاسس تو نہ بوجنہ ہر کا کر دیا  
حسن کو پہنچا چکے جسب خود تماں کا لباس  
عشق نے سر پیٹ کر پوچھا کہ یہ کیا کر دیا

ایسی تو یہی دلکھ سنا چاہتا ہوں  
 نہیں چاہتا ان کو یا چاہتا ہوں  
 وہ کہتے ہیں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو  
 یہی پچھ تو میں جانا چاہتا ہوں  
 مری نبیوں پر منظر رکھنے والا  
 خدا را بتابو میں کیا چاہتا ہوں  
 نہ سمجھا کوئی جس کو وہ حرف ہوں میں  
 علط ہو گیا ہوں ہٹا چاہتا ہوں  
 وہ پُرپُوش آنسو وہ خاموش آہیں  
 وہی عشق کی ابتدا چاہتا ہوں  
 میں سمجھا وہ پچھ پوچھنا چاہتے ہیں، میں  
 وہ سمجھے کہ میں کچھ کہا چاہتا ہوں

اُبیسدوں سے دل برباد کو آباد کرتا ہوں  
 مٹانے کے لئے دنیا نئی ایجاد کرتا ہوں  
 تری میجادِ غم پوری ہوئی اسے زندگی خوش ہو  
 قفس لٹوٹے نہ لٹوٹے میں تجھے آزاد کرتا ہوں  
 جناکار و مری مظلوم خاموشی پہ ہستے ہو  
 ذرا ہھسپڑ و ذرا دم لو ابھی فرباد کرتا ہوں  
 میں اپنے دل کا مالک ہوں مرادل ایک لستی ہے  
 بھی آباد کرتا ہوں بھی برباد کرتا ہوں  
 ملا فایس بھی ہوتی ہیں ملا فاتوں کے بعد اکثر  
 وہ مجھ کو بمحول جاتے ہیں میں ان کو بیاد کرتا ہوں

خودی کی اہتماد یہ نہیں کہ اپنے آپ میں گم تھا  
خودی کی انہتایہ ہے خُد کو یاد کرتا ہوں  
بُرتوں کے عشق میں لکھو یا گیا ہوں ورنہ اسے اخْرَج  
خُدا شاپد ہے میں اکثر خُد کو یاد کرتا ہوں

مشخ و پیغمبَر دھرم اور اسلام کی باتیں کریں  
کچھ خُدا کے قہر کچھ انعام کی باتیں کریں  
یہ سنائیں پاک نعمتِ اولیں اہمام کے  
وہ خُدا کے آخری پیغام کی باتیں کریں  
ہم لمحتے سنتے رہیں اور دل میں یہ کہتے رہیں  
اپ یہ رخصت ہوں تو ہم کچھ کام کی باتیں کریں

یاس و سرمان و غم و آلام کی یاتیں کریں  
 آدل ایذا طلب پچھہ کام کی یاتیں کریں  
 دوست سے بھہ دیں دل یہ مدعایکی دلائ  
 آج ساقی سے شکست جام کی یاتیں کریں  
 جس کی دنیا آپ سے بھتی جس کی دنیا آپ تھے  
 آؤ اُس بدرجنت کے انعام کی یاتیں کریں  
 عمر مجھ کا عمدہ الہفت اک خیال خام تھا  
 آؤ لیکن اس خیال خام کی یاتیں کریں  
 زندگی بے شک ترا انعام ہے یارب مکر  
 سُن سکے تو کچھ ترے انعام کی یاتیں کریں

لب پر ہی لمحی آنہ سکا نام تھا را  
دل نے تو کئی بار، کئی بار پُکارا  
اک بار جو مل جائیں وہ بھرپڑے ہوئے لمحے  
سو بار مجھے تلمحی ایام گوارا

چہاں تجھ کو بیٹھا کر لو جتے ہیں لو جتے والے  
وہ مندر اور ہوتے ہیں نشانے اور ہوتے ہیں  
دیاں رختم سے ہکتے ہیں جس کو مر جب اسیل  
وہ خیز اور ہوتے ہیں وہ بھائے اور ہوتے ہیں  
جنھیں محرومیٰ تایش ہی اصلِ تمنا ہے  
وہ آہیں اور ہوتی ہیں وہ نالے اور ہوتے ہیں  
جنھیں حاصل ہے ترا قربِ خوش فست میں لیکن  
ترمیٰ حسرت لئے مر جانے والے اور ہوتے ہیں  
جو بھوکر ہی نہیں بھاتے وہ سب بچھیں مگر واعظاً  
وہ جن کو دستِ رحمت خود سنبھالے اور ہوتے ہیں  
تلائشِ شمع سے پیدا ہے سوزِ نام تمامِ اختر  
خود اپنی آگ میں حل جانے والے اور ہوتے ہیں

جس زمیں پر ترا نقشِ کفت پا رہتا ہے  
ایک اک ذرہ وہاں قبلہ مُساہوتا ہے  
کاش وہ دل پر کھے ہاتھ اور آتنا پوچھئے  
کیون نرٹ پڑھتا ہے کیا بات ہے کیا ہوتا ہے  
بزمِ دشمن ہے خُدا کے لئے آرام سے بلیحہ  
یار بار اے دل ناداں تجھے کیا ہوتا ہے  
میری صورت، مری حالت، مری زنگت دیکھی  
آپ نے دیکھ لیا عشق میں کیا ہوتا ہے  
اے صبا! خارہ مغیسلاں کو سنا دے مرشدہ  
عازمِ دشت کوئی آبلہ پا رہتا ہے  
ہم جو ہجتے ہیں ہم بیشهی غلط ہجتے، ہیں  
آپ کا حلم درست اور بجا رہتا ہے

مراہمِ نبیوں سوار تو سن طبعِ رواں ہو کر  
زینِ شعر پر بھرتا ہے کویا آسمان ہو کر  
کٹک جاتے ہیں حشمِ بر قبیل میراثاں ہو کر  
غصہ پڑھتا ہیں اینی چینہ تنکے آشیاں ہو کر  
سن اے جوشِ جتوں تعلیدِ محبوں کی نہیں اچھی  
مبادرہم بھی رہ جائیں کسی دن داستان ہو کر  
و ما دم شعبد سے ہم کو دکھاتا ہے کوئی جلوہ  
کھیں شیخِ حسرہم ہو کر کھیں پرِ معال ہو کر  
اں آنکھوں سے بہار بارع دنیا دیکھنے والوں  
یہ آنکھیں زنگ لائیں گی کسی دن خون فشاں ہو کر  
ایکی کیا شمع کیا پروانہ دو توں حل بجھنے آخسر  
کوئی آنس فشاں ہو کر کوئی آنس بجاں ہو کر

خدا محفوظ رکھے یہ سیں دل لئے ہی یلتے ہیں  
کسی پر ہر باراں ہو کر کسی سے سرگراں ہو کر  
نہ پایا اور کچھ بھی جڑ خدا کیے ہیں اے اندر  
بھرتا نادم ہوئے ہم بنت کر سے سے بدگماں ہو کر

مرے چمن کی خزاں مطمئن رہے کہ یہاں  
خدا کے فضل سے اندر لستہ ہمارا نہیں

سُنا کر حال قسمت آز ما کر لوث آئے ہیں  
 انھیں کچھ اور بیگانہ بنا کر لوث آئے ہیں  
 پھر اک لوہا ہوا رشتہ پھر اک اچھی ہوئی دنیا  
 پھر اک ول چسپ افسانہ سُنا کر لوث آئے ہیں  
 فریب آرزواب ٹونے والے مرگ مالوسی!  
 ہم امیدوں کی اک دنیا لٹا کر لوث آئے ہیں  
 خدا شاہد ہے اب تو ان سامجھی کوئی نہیں ملتا  
 بن عجم خویش جن کو آز ما کر لوث آئے ہیں  
 پچھے جاتے ہیں یارب کیوں کسی فر کے قدموں میں  
 دہ بحمدہ بخود رکھہ پہ جا کر لوث آئے ہیں  
 بڑا رمان تھا دیکھیں لمحی غالب کا گلکتہ  
 خدا کا شکر ہے دامن چھڑا کر لوث آئے ہیں

تمہارے اک تبسم سے جو بن جاتی تھی نورانی  
وہی غم کی گھٹا پھر جیسا کئی کیا تم نہ آؤ گے  
تمہاری دیدہ ہی مقصد رہا جس کی بصارت کا  
وہ چشم منظر پھر اگئی کیا تم نہ آؤ گے  
وفا کی رسکیاں اس پر ہوس کے قہقہے تو یہ  
محبت کی فضائیہ اگئی کیا تم نہ آؤ گے  
بہارِ جاں فراہ بُل کے نعمتے چاند فی رائیں  
ہر اک شے آنے والی اگئی کیا تم نہ آؤ گے  
غورو رضیط کی رسوائیاں کیا تم نہ دلکھو گے  
مری فرمایا دلب تک نہ اگئی کیا تم نہ آؤ گے  
مرے پندار کا اپ ذکر کیا میں خود جو کہتا ہوں  
طبعیت ہے مر میں لگبر اگئی کیا تم نہ آؤ گے

جمع ہیں سارے مسافر نا خدائی دل کے پاس  
کشتی ہستی نظر آتی ہے اب ساحل کے پاس  
نا خدا کس بیجو میں ہے میاں مجنوں کھہاں  
اب بگولا بھی نہ پھٹکے گاترے محل کے پاس  
ابتداء عشق یعنی ایک ہدک حادثہ  
آنئی ہستی یکایک موت کی منزل کے پاس  
نعمتوں کو دیکھتا ہے اور سنہ دیتا ہے دل  
محوجیت ہوں کہ آخر کپیا ہے میر دل کے پاس  
یہ ترے دست کرم کو لکھنے گا ایک دن  
اے خدار ہستے نہ دے دست دعا ساحل کے پاس

نگاہوں کو زیاد کا تر جہاں کہتا ہی پڑتا ہے  
خوشی کو کبھی دل کی زیاد کہتا ہی پڑتا ہے  
خدا سے دو جہاں جب آنحضرت ہو کے رہ جائے  
کسی کو پھر خدا سے اس جہاں کہتا ہی پڑتا ہے  
نہیں جب شش جہت یہ داد ملی رئے والوں کو  
تو پھر تجھ کو اسی سر لامکاں کہتا ہی پڑتا ہے  
تری غفلت سے غیرت کا سفینہ دوب جاتا ہے  
تو قطرے کو مجھ بے کراں کہتا ہی پڑتا ہے

کسی کے حین عالم تاب کی تزویہ کے صورتے  
کسی بدیخت کی صورتے بھی پیچافی نہیں جاتی  
مروت کی ادا پر بندہ نکھیں کر کے لٹ جانا  
یہ نادانی ہی لیکن یہ نادانی نہیں جاتی  
وہاں دل کے چلا ہے پھر وہی اک بات کہنے کو  
کہی جاتی ہے جو اکثر مگرہ مانی نہیں جاتی  
خداوند اپھر آخڑ کیا تھتا ہے مرے دل کی  
وہ پہلو ہیں بھی ہیں لیکن پریشانی نہیں جاتی  
کیا تھا یہیں تے شکوہ آپ نے آپھر جھینکا می تھیں  
ہوئی مدت مگر اب تک پیشیانی نہیں جاتی  
وہی ہے اپنی رندی اور وہی واعظ کی فہمائش  
بُری عادت کوئی بھی ہو بہ آسانی نہیں جاتی

عجب کیا تھا جو میں روزِ ازل ایمان لے آیا  
 عجب یہ ہے کہ اب تک بھی مر ایمان باقی ہے  
 نمودِ خیر و شر کا یہ نتیجہ ہے کس نے سوچا نتھا  
 خدا مفہور، آدم جاں طلب شیطان باقی ہے  
  
 جسے حیثیم آٹھوڑ کو ہم کام میں لائے ہیں  
 اللہ عنی کسی کیا نقشے نظر آئے، میں  
 جو نقشِ محبت نے اک بُت میں دکھائے ہیں  
 موجود تھے کچھ پہلے کچھ ہم نے بنائے ہیں

فکرِ عشق ہے مجھے خواہش دنیا ہے مجھے  
عیش کی دُھن ہے مجھے، موت کا دھڑکا ہے مجھے  
موت ہکتے ہیں جسے ضبط کی تکمیل نہ ہو  
کہ نفس پہنچی فرپاد کا دھوکا ہے مجھے  
حسن وہ چاہیئے جو عشق کا آئندہ بنے  
یعنی اپنے لئے اپنی ہی ملتا ہے مجھے  
تم نہ گھیراؤ مجھے تم سے کوئی کام نہیں  
اینی خواہش ہے مجھے اپنی ملتا ہے مجھے  
یہ تو معلوم نہیں ان کا ارادہ کیا ہے  
ہاں رگاہِ علط انداز سے دیکھا ہے مجھے

بُخْر کی شبِ ادھرِ المُثَدُّدِھر وہ بُت ہے  
دیکھنا یہ ہے کہ اب کون بُلَا تا ہے مجھے  
ایک بُت، ایک بی بُت کا ہوں پُچاری اخْزَ  
اپنے اس شترک پہ توجید کا دعویٰ لے ہے مجھے

دا آتا ہے بڑا رزاق مرا بھر پور خزانے ہیں اس کے  
پیسچ ہے مگر اے دستِ دعا ہر وہ لفاظا کون کرے

خلوصِ عارضی وہ بھی یقینیت ڈھونڈنے لگے  
 تماثل نامراد آیا، تمت سوگوار آئی  
 دلِ مایوس نے آوارگی سے آس یاد ہی بھی  
 مری قسمت مگر یہ آخری باری بھی ہار آئی  
  
 جب ہنسے والے عشق کی ذلت پہنس چکے  
 ہم نے پھر اس کا نام لیا اور رو دیئے  
 پہلے تو شرمِ ضبط سے چُپ نتھے حضورِ دوست  
 پھر حوصلے سے کام لیا اور رو دیئے

پے لوٹ محبت کی منظر دھونڈ رہا ہوں  
انجام تو طاہر ہے مگر دھونڈ رہا ہوں  
اے دیکھنے والو مری افتاد تو دیکھو  
میں اپنی دعاؤں میں اتر دھونڈ رہا ہوں  
جن سجدوں کی ہے عرش پریں کو بھی تمنا  
اں سجدوں کے لاٹ کوئی در دھونڈ رہا ہوں  
خود جس نے مجھے ناز گنا ہوں پہ سکھایا  
پاریں وہی رحمت کی منظر دھونڈ رہا ہوں

## اونچ رسالت

کس نے قطروں کو ہلا کیا اور درپیا کر دیا  
 کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحراء کر دیا  
 شوکت مختصر در کا کس شخص نے توڑا طسم  
 ہنسدم کس نے الہی قصر سر لے کر دیا  
 کس کی حکمت سلیمانیوں کو کیا دریتیم  
 اور غلاموں کو رہانے پھر کا مولا کر دیا  
 زندہ ہو جاتے ہیں جو ہر قبیلے کے نام پر  
 اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

کر دیا لا تقطفو اخستھے کسی نے کان بیس  
اور دل کو سر بسر محو نہ کر دیا  
ساست پر دوایا چیز پہنچھا بیٹھیا تھا حسن کائنات  
اب کسی نے اس کو عالم آشکارا کر دیا  
آدمیت کا عرض سامان ہسیا کر دیا

محبت یاں تپاکب ظاہری سے کچھ نہیں ہوتا  
جہاں دل کو لگی ہو دل لگی سے کچھ نہیں ہوتا  
یہ ہے چہرہ مشیدت یا مری آنحضرت یہ ہے یا رب  
سہما راجس کا لیتا ہوا اسی سے کچھ نہیں ہوتا  
کوئی میری خطاب ہے یا اندری صنعت کی خامی ہے  
فرشتے ہمہ رہے ہیں آدمی سے کچھ نہیں ہوتا  
نزے احکام کی دنیا مرے اعمال کا محشر  
یہاں میری دہاں تیری خوشی ہے کچھ نہیں ہوتا  
رفقا تیری، لکھا تقدیر کا، میری زیار کوشی  
کسی کی دوستی یا دسمشی سے کچھ نہیں ہوتا

بہ ہر عالم ترا جبر خدا می کار فرمائے  
 ہمارے اختیار بندگی سے کچھ نہیں ہوتا  
 اگر تیری خوشی ہے ٹیڑے بندوں کی مسٹر میں  
 تو اے بیرے خدا اپنی خوشی سے کچھ نہیں ہوتا  
 ہر سمت طلب کو حدا تک گستاخ دے یا رب  
 یہاں سوت دعا کی عاجزی سے کچھ نہیں ہوتا  
 صداقت ہو تو دب جاتا ہے ایماں کم مطلق سے  
 مرادستہ تک ہے ہیں شیخ جی سے کچھ نہیں ہوتا  
 کمال شاعری حاصل کیا تو یہ کھلا آخرت  
 کہ دنیا میں کمال شاعری سے کچھ نہیں ہوتا

اک نہتائے نیاز کاوش بود و بود  
اک مسلح اور فکر عافیت میں غرق ہے  
پوچھئے ولے یہ دونوں میں کسی سے پوچھ لیں  
بُزدلي اور آتمک شکنی میں کتنا فرق ہے  
  
ہونٹوں کو سر قلب بیبا جاتا ہے  
تب نام شہیدوں کا لیا جاتا ہے  
کیا جانے زیال چام شہادت کے مز  
یہ جام تو شرگ سے پیا جاتا ہے

عبدت از پئے الغام زابد  
ہوس کاری ہے مشتاقی نہیں ہے  
کہ تیرا مرکب سعی و تمن  
شراب و جام ہے ساقی نہیں ہے  
ہمیں افراط می ہے چپڑہ افرود  
ہمیں خون جگہ یافی نہیں ہے  
محال دم زدن کس کو ہے یار ب  
مگہ یہ شان رزا فی نہیں ہے

اپنی مظلومی اور احباب کی پرکششی کو  
دامِ تزویر پیدا کیا ہے زمانے کے لئے  
ان کی موہوم شقاوت کے گلے کرتا ہوں  
اپنی معلوم خباثت کو چھپانے کے لئے

زندگی بھر دہر کی نیز نگیں اس دیکھا کئے  
گردشِ ایام و دو رہ آسمان دیکھا کئے  
ہم اسیہ راں قفس کی ہائے رے مجبوریاں  
سامنے آنکھوں کے جلتا آشیاں دیکھا کئے  
آشیاں باندھا کئے ہر فصلِ گل میں ہم صفير  
اور ہم اپنے قفس کی تیلیاں دیکھا کئے  
آشیاں باندھا مگر آسودگی کا ذکر کیا  
کس طرح گرتی ہیں اس پر بجلیاں دیکھا کئے  
جان بھی آخر مرض کے ساتھ رخصت ہو گئی  
ہم تمی رہا ہے میسحائے زماں دیکھا کئے

تمہاری دوستی اچھی نہ دل کی دستی اچھی  
اُسے دستمن تھیں اپنا پنا کر ہم نے دیکھا ہے  
ہمیں معلوم ہے مرگ تمنا کس کو بخستے ہیں  
ہمیں اپنا مقدار آزمائ کر ہم نے دیکھا ہے

صورت سے وہ پیزارہ ہے معلوم نہیں کیوں  
دل پھر جی طلب گارہے معلوم نہیں کیوں  
ہر شخص کو بخشی کئی تمیز بد و نیک  
ہر شخص زیان کارہے معلوم نہیں کیوں  
اک چیز کہ سرمایہ راحت ہے اسے لوگ  
بھتتے ہیں کہ آزارہ ہے معلوم نہیں کیوں  
پتا بھی اگر ہتا ہے تو اس کی رضا سے  
اور بندہ گھنگارہ ہے معلوم نہیں کیوں  
دیندارہ ہے زاہد کی زیان بھی ہر اول بھی  
پھر مفت کی تکارہ ہے معلوم نہیں میں کیوں

وقت آخر عمر بھر کے سب فسائے ہجھے گئی  
وہ پیشی کافی تری اور اس پہ چیرافی ملی  
اینی اپنی هزار مقصود پہلے جائے گی  
دوستوں کو ان کی عقل اور مجھ کو نادافی ملی

جی کو روگ لگا بلیھا جی کے روگ سے مرتا ہوں  
اس میں نبھی کا شکوہ کسیا پینی کرنی پھر تا ہوں  
تیر ک گناہ اے واعظ جی ادل سے نہیں مجبور تی ہے  
آپ خدا سے درستے ہیں ہیں دنیا سے درستا ہوں  
دنیا سے کچھ فیض نہ تھا دنیا کو تج بنیھا ہوں  
اللہ سے امیں دیں ہیں اللہ اللہ کرتا ہوں  
دُور تو ہبٹ جاؤں لیکن فکر محبت نے مارا  
لبے حد نازک رشتہ ہے لوٹ نہ جائے درستا ہوں  
کاوش پیغم آختر تک حاصل مرگ مایوسی  
یہ بھی کوئی جیتنا ہے کس جیسے پھر تا ہوں

بُرا ہو گیا بھلا ہو گیا  
محبت میں جو ہو گیا ہو گیا  
نہ پوچھو سرِ حشر زاپد کا حال  
سمجھتے نئے کیا اور کیا ہو گیا  
یہیں ختم ہے بحث معیارِ حسن  
جو دل لے گیا دلمہ با ہو گیا  
اللی تراب ندہ اور بُت پرست  
ملکہ یہ کہ مجسیور سا ہو گیا

لیجئ پھر اعتراف اُن کا کیا  
ہم نے اپنے ساتھ پھر وھو کا کیا  
سرگردانی کا سب آخر کوئی  
کیا خطائی جرم ہم نے کیا کیا

خدا کی توک دل لگی ہو گئی  
یہاں وقف غم زندگی ہو گئی  
فسانہ وہ دشمن کا سنتے لگے  
مری بات آئی گئی ہو گئی

ماشہ ہے کوئی جن کے لئے برباد ہوتا ہے  
وہی احبابِ تاریخِ بن کے سمجھاتے بھی آتے ہیں  
دیا جنت کا لایح شیخ! ہم سے یہ کہا ہوتا  
چلو کجھے کے رستے میں صنم خانے بھی آتے ہیں  
برائے عیش و مستی بھی ہے شغل میں، مگر یا رب  
تری دنیا میں کچھ بدیجنت غم کھانے بھی آتے ہیں  
جنھیں سن کر فرمیر حضرت پرند وال لہ ز جائے  
کتابِ زندگی میں ایسے افسانے بھی آتے ہیں

جو مانگو مل جائے گا اس میں وہ بھی شامل ہیں  
خوب نمائیں پڑھتا ہوں خوب دعا یہیں کرتا ہوں  
ناہ کو اک ساحل تو ملا طوفانوں سے چین تو ہے  
موت ہے اچھا موت ہی یہیں اس گھاٹ اترتا ہوں

ہمارا ذکرِ دشمن کی زبانی دیکھتے جاؤ  
فسانہ بن گئی ساری بہانی دیکھتے جاؤ  
ذرالک چھپڑ دوڑاہد سے قصے حور و غلام کے  
پھر اس کم بخت کی نلگیں بیانی دیکھتے جاؤ  
ڈیک لے خون اڑانوں کا آنکھوں سے ذرا مہرو  
مری لستی ہوئی رنگیں جوانی دیکھتے جاؤ  
کمال سوزِ غمہ سے ہمانی دھوڈتے والو  
مال سوزِ غمہ سے ہمانی دیکھتے جاؤ  
بہت چرچے تھے پاروں یہی مری چادو بیانی کے  
حضورِ دوست میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

ملے گی شیخ کو جہت مجھے دوڑخ عطا ہوگا  
بس اتنی بات ہے جس کے لئے محسن شرپیا ہوگا  
رہیں دو دو فرستے سا نکھ تو انصاف کیا ہوگا  
کسی نے کچھ لکھا ہوگا، کسی نے کچھ لکھا ہوگا  
بروڑہ شر حاکم قادرِ مطلق خدا ہوگا  
فرستتوں کے لکھے اور شیخ کی یاتوں سے کیا ہوگا  
ہر کب ہوں میں نیا ن خطہ سے کیا ہوں پارب  
لکھی حرفِ تمنا بھی زبان پر آگیا ہوگا  
سکونِ مستقل، دل بے تمنا، شیخ کی صجت  
یہ جہت ہے تو اس جہت سے دوڑخ کیا بُرا ہوگا

ہر سے اشعار پر خاموش ہے جبکہ بڑا نہیں ہوتا  
یہ داعظ داعظوں میں کچھ حقیقت آشنا ہوگا  
تیری دنیا میں صبر و شکر سے ہم نے پس رکھ لی  
تیری دنیا سے پڑھ کر بھی تیرے دُرخ میں کیا ہوگا  
بھروسہ اس قدر ہے تجھ کو اختر اُس کی حرمت پر  
اگر وہ شیخ صاحب کا خدا انکلاد تو کیا ہوگا

شبِ غم و ہم ستارا ہے صدائیں  
گماں ہوتا ہے کوئی آر ہا ہے

ستم کو سشی میں دل سوزی بھی شامل ہوتی جاتی ہے  
محبت اور مشکل اور مشکل ہوتی جاتی ہے

مجھ کو دیکھا پھوٹ کے رویا  
اب سمجھا سمجھا نے والا

رہن آشنا ملے کئ اہلِ منظر ملے  
پھر بھی یہ جستجو رہی کوئی لیشر ملے  
عادل بھی ہو رحیم بھی ہو کار ساز بھی  
سپ کچھ تو ہو مگر ذرا ہم سے لظر ملے  
انکارِ سجدہ ہے یہاں کس رو سیاہ کو  
شایانِ سجدہ بھی تو مگر کوئی در ملے  
یہ ہے کمالِ جہل کہ معاشرِ اج آہنی  
ہر لمحہ جستجو ہے کچھ اپنی خبر ملے  
عینش گر پر پا کا تصور بھی مٹا گیا  
غم ایسے مستقل ملے اور اس قرار ملے

کوئی بھلی ادھر نہیں آتی

موت بھی راہ پر نہیں آتی

شب بھراں کا ماہراہی کیا

شام کر سوئے نہیں آتی

عشق جی کا زیپاں تو سہے لیکن

موت کچھ پوچھ کر نہیں آتی

ور دل کا علاج ترکِ وفا

سحرم اے چارہ گر نہیں آتی

شکر ایساں ہے، شکوہ کفر مگر

وجہ کوئی نظر نہیں آتی

جان شاری کا مدعا ہے رقیب

جان بچت نظر نہیں آتی

کیا جانے کیا ہوئی مرمی عادت شراب کی  
گویا وہ اک ترنگ مختی ہو دشپاپ کی  
وہ دلوں وہ جوش چوانی کے اپ ہمال  
سامنھہ آفتاب کے گئی دھوپ آفتاب کی

صحیفے بھی پہمیر بھی ترے ابلیس بھی نیرا  
الہی روزہ مخترا منحاج نیرا ہے یا میرا  
ترے مُجزنے کی رسوامی فطرت ترمی صفت  
قصور اس میں بتا اسے پدگماں نیرا ہے یا میرا  
علامت میر عصیاں کی ہے بشیک داع پیشانی  
مگر یہ داع دل یارب نشاں نیرا ہے یا میرا

قریب حضرت آدم کو دے گیا ابلیس  
قریب ہی تھا خدا بھی خدا سے کچھ نہ ہوا  
خدا تو جیر مسلمان تھا اُس سے کیا شکوہ  
مرے لئے مرے پر ما تما سے کچھ نہ ہوا

میکدے میں پیٹھ کر ایمان کی پروانہ کر  
یا اسے بھی ایک دو چلو پلا دیوانہ کر  
مسکرا دے قصہ ایمید کردے محض  
یا پڑھائے چل ذرا سی پات کو افسانہ کر  
خوش مذاقی شرط ہو جس کے نظرے سکھ لئے  
اُس گل خود روکو بارب زینت دیرانہ کر  
حادثہ ہے لیکن ایسا غیر معمولی ہیں  
شمع پر پروانہ جلنے دے کوئی پروانہ کر

خود می تلاش پیس مخفی اخراج بہانہ ملا  
کہ بندگی نہ کریں گے اگر خدا نہ ملا  
حرم کو جانہ سکے پنکڑتے کے راندے ہوئے  
پتوں کے لجڑا کا یہی آسمانہ ملا

چاہتا ہوں انتہ سے درد دل  
مل گئی آخر دوا سے درد دل  
کیا ضروری تھی دوا سے درد دل  
سُن تو لیتے ما جرا سے درد دل  
عشق کی وجہ نہ تدا مرت کچھ نہ پوچھ  
دل ہے پہلو میں بجا سے درد دل  
جس کو دل لیتے پہ اتنا ناز ہے  
کاش ہونا آخر شنا سے درد دل  
بیوں تھیں مٹتے کی آخر یہ خلش  
دل کہیں آئے تو جا سے درد دل

عڑو رضیط سے آہ و فعال تک بات آپ چھپتی  
ہوس نے کیا کیا دل سے زبان تک آپ چھپتی  
سکون دل سے ناقوس داؤں تک بات آپ چھپتی  
خلافت سے جبیں داستان تک بات آپ چھپتی  
مل بھتی انکھ اور آہ و فعال تک بات آپ چھپتی  
ڈراسی بات بھتی لیکن یہاں تک بات آپ چھپتی  
ہماری داستان میں ڈکھ رہیں دکوہ کن آیا  
وہاں سے پھر ہماری داستان تک بات آپ چھپتی  
جہاں دوستی اک جنت اپیٹا نہ ہوتا ہے  
وہاں بھی کاہش سود و زیاب تک بات آپ چھپتی

# فریب آزادی

ہمیں ذکر مے لغتہ حدیث مطریب و ساقی  
ہمیں رنج تباہی کرب ناداری ہے آزادی  
ہمیں اک نعروء عیش مسلسل بنم پا راں ہیں  
ہمیں اک مستحق اذن عزا داری ہے آزادی  
اب اس کو نعمت شادی ہوں یا نالہ ماتم  
ہو تو سر بلندی یا نگوں ساری ہے آزادی  
شکایت کرنہ ہیں سکتا متنافق ہیں نہیں سکتا  
ہرے آزاد یار و سخت ناچاری ہے آزادی

اگر خلوت پیں لو جھوپ ہر لشتر نامطمہن اس سے  
سہر مغل بھو تو جان سے پیاری ہے آزادی  
غرض ہم پنلا اس کے منافق بھی ہیں عاشق بھی  
ہوا ثابت بڑی دلچسپ بیماری ہے آزادی

کسی کی جوانی ارے تو یہ تو یہ  
پھر اپنی گہانی ارے تو یہ تو یہ  
مسلسل مصیدت سرا سرتباہی  
ہری زندگانی ارے تو یہ تو یہ

کیا بن کے رہ گئی ہے ذرا آ کے دیکھ لے  
اک خانہ اں خراب کی دنیا تھے بغیر  
کہتا پھر وہ ہر اک سے غم دل ہماں یہ تاب  
ہجھہ بھی سکوں تو کون مُسْنے گا تھے بغیر

# گوکل کی ایک شام

گوکل کے جھوپڑے میں جمنا کا ہے کنارا  
اے دیدہ تصوّر پھر کر لے اک نظر  
پورب سے آرہی ہیں مسی بھری ہوئیں  
چھپھم میں چارہی ہیں نیلو فری گھٹائیں  
مغرب میں رفتہ رفتہ اک شام بن ہی ہے  
پریوں کی سیز واد می گل فام بن رہی ہے  
سینڈ ورمل لیا ہے خورشید نے جبیں پر  
جمنا نے اور ٹھلی ہے اک سورخ ترد چادر

بھیتوں سے آہی ہر کچو رس بھری صدائیں  
اک کیف سرمدی سے محروم ہیں فتمائیں  
چھوٹا سا ایک لڑکا بنسی جبار ہاہے  
الفت کے مھولے بسرے نغمے سنار ہاہے  
پیغام برگلوں کے میں بسے ہوئے ہیں  
یعنی، ہوا کے جھونکے لے میں بسے ہوئے ہیں  
پکے گھروں کے باہر کچھ گو پیاں گھڑی ہیں  
اک دوہماں گھڑی ہیں اک دوہماں گھڑی ہیں  
یہ بھولی مھالی شکلیں یہ منتظر نگاہیں  
یہ گرم گرم آنسو یہ سرد سرد آہیں  
یہ گوپیاں بچاری پچھیاں کہ رہی ہیں  
لب ہیں خموش انکھیں فرماد کہ رہی ہیں

کیوں ہو ک اٹھ بھی ہے آرام کیوں نہیں ہے  
شام آگئی ہے لیکن گھنٹشام کیوں نہیں ہے  
اے پے وقوف آخر دکھڑے ہیں یہ پُرانے  
یہ رانہ کون سمجھے یہ بھی د کون جانے

# سلام شوق

(افغانستان جانے والے ہندوستانی وفد کے نام)

چلے ہو آج تم بھارت سے افغانوں کی دنیا کو  
بہادر، پا صفا، خوددار انسانوں کی دنیا کو  
وہ دنیا جو ہمارے نیک ہمایوں کی دنیا ہے  
جسے ہم نے ہمیشہ پیار کی مظلول سے دیکھا ہے  
ہے جس کے ساتھ ارض ہند کی تاریخ وابستہ  
جہاں سے ہو کے ہم ہندوستان میں آئے وہ رہ  
وہی خطرہ وہی جس سے حکومت مشترک اپنی  
حمدنمشترک اپنا، سیاست مشترک اپنی

وہ انسان لطف اخلاص مروجن کا شیوه ہے  
تشرافت جن کی خصلت ہے مجتہد جن کا شیوه ہے  
بُرہے ہی پیارہ سے ان کو سلام شوق پہنچانا  
سلام شوق پہنچا کہ پیام شوق پہنچانا  
کہ اے والا نژاد و وادی کابل کے فرزندو  
تشرافت کے پرستارو، وفا کے آرزومندو  
ہم اہل ہند تجدیدِ محبت کرنے آئے ہیں  
پورا نے دوست تازہ رسم اُلفت کرنے آئے ہیں  
پیاض ہند سے تازہ ہوا ہیں لے کے آئے ہیں  
تمہارے واسطے محلص عائیں لے کے آئے ہیں  
مگر یہ مت سمجھنا منہ سے کہہ دینا ہی کافی ہے  
ثبوت اس کا وہاں کردار سے دینا ضروری ہے

دہاں جاتے ہو تم اپنے وطن کے ایلھی بن کر  
سر اپا آشٹی بن کر، مجسم دوستی بن کر  
وطن کا نام ہو جس سے دہاں وہ اپنی خورکھنا  
وطن کی شان رکھنا، لاج رکھنا، آبر و رکھنا  
وطن کی جس سے سُکی ہونہ لب تک بھی وہ حر آئے  
کہیں ہندوستان کے نام پر وہ بیان آجائے  
خدا حافظ درھارو، تو ہمالاں وطن جاؤ  
دعایہ ہے سلامت جاؤ تم اور شاد کام آؤ